اعتقادات

ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ
المعروف شیخ صدوق علیہ الرحمۃ
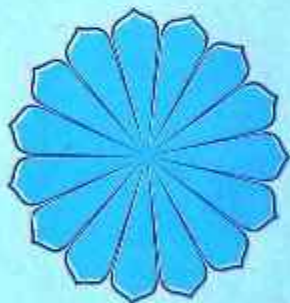
البلاغ المبین
اسلامی تحقیقاتی و اشاعتی ادارہ

اعتقادات

از

ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ
الشیخ صدوق علیہ الرحمۃ

نوٹ: چونکہ زیرنظر کتاب کے مؤلف مکتب اہل بیت (ع) کی اہم ترین کتب حدیث کتب اربعة میں سے ایک کتاب من لا یحضره الفقیه کے مؤلف ہیں، لہٰذا یہ کتاب بذات خود ایک اہم مصدر کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے اس میں موجود روایات کے دیگر مصادر کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(ادارہ)

نام کتاب: اعتقادات

مؤلف: ابو جعفر محمد بن علی بن بابویه المعروف الشیخ صدوق علیه الرحمة

تاریخ طبع: جنوری ۲۰۰۶ء / ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

تعداد: پانچ ہزار

ناشر: البلاغ المبین۔ اسلامی تحقیقاتی واشاعتی ادارہ

پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹ ۔ اسلام آباد ۔ پاکستان

ای میل: info@al-balagh.org

ویب: www.al-balagh.org

ہدیہ: چالیس روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے ایک کامل نظام حیات لے کر آئے، قرآن و حدیث کے ذریعے اسے بیان فرمایا اور اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے ہمارے درمیان قرآن و عترت (ع) چھوڑ گئے۔

عترت یعنی اہل بیت اطہار علیہم السلام، قرآن کریم کے مفسر اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ ہیں۔ شیعہ امامیہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو اہل بیت اطہار علیہم السلام جیسے امین اور پاکیزہ ہاتھوں سے لیا ہے، جو مقام عصمت وعلم کے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کی وجہ سے نہ سیاسی رجحانات کے زیر اثر تھے، نہ مادی مفادات کے فریفتہ۔ ہماری اس امتیازی حیثیت کی تکمیل اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے مذہب کو اہل بیت اطہار علیہم السلام سے لیتے ہوئے علم اور امانت کا لحاظ رکھیں۔ ہر کس و ناکس کو نہیں، بلکہ امت کے سب سے بڑے اہلیان علم اور امین ہاتھوں کو ذریعہ بنائیں اور ہم علم و امانت کے اس معیار کو نہ بھولیں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد اپنی امت کے لیے قائم کر گئے تھے اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اسی معیار کو قائم رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ علم و امانت کے اس مطلوبہ معیار پر فائز ہیں جو ائمہ علیہم السلام نے قائم فرمایا ہے اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے گیارہوں تاجدار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے صرف ایک پشت کے فاصلے پر ہیں۔

لہذا اپنے مذہبی عقائد کو ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے حاصل کرنے کے لیے عقلمندی سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

اَلْمُومِن کَیِّس ۔[1] مؤمن ہوشیار عقلمند ہوتا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: اِنَّمَا الْکَیْسُ کَیْسُ الْآخِرَۃِ ۔[2] عقلمندی، آخرت کی عقلمندی ہے۔ یعنی اپنی آخرت کی نجات کے لیے عقلمندی سے کام لے۔

مولانا محمد اعجاز حسن محمدی بدایونی مرحوم اور مولانا سید منظور حسین بخاری مرحوم کے اس کتاب کے تراجم بیسیوں سال قبل سے موجود ہیں اور اعتقادات کے بارے میں مؤمنین کرام ان سے استفادہ کرتے آ رہے ہیں۔

اس اہم کتاب کے ترجمے کے سلسلے میں مولانا محمد شفا نجفی، مولانا سید عباس موسوی، مولانا محمد امین شہیدی، مولانا محی الدین کاظم اور مولانا آفتاب جوادی دامت برکاتہم کی قابل قدر مساعی جمیلہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

ادارہ

☆☆☆☆☆

---

[1] بحار الانوار ۶۴: ۳۰۷ [2] اصول الکافی ۳: ۵۵۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات مؤلف علیہ الرحمہ

رئیس المحدثین ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ صدوق قمی علیہ الرحمۃ ہمارے بارہویں امام حضرت مہدی صاحب الزماں علیہ السلام کی دعا کی برکت سے قم میں ۳۰۶ھ پیدا ہوئے۔

بنی بابویہ قم کے خاندانوں میں سے ایک ایسا خاندان ہے جس کی علمی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور جس شخص نے تیسری اور چوتھی صدی کی علمی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، اسے معلوم ہے کہ ایران کا شہر قم علم کا گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین نے ایسے محدثین و مصلحین کو جنم دیا اور اس کی فضاؤں سے رشد و ہدایت کے ایسے ایسے ستارے اور ایسے ایسے چاند و سورج طلوع ہوئے کہ جن سے قم کی تاریخ ہمیشہ درخشاں اور تابندہ رہے گی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا مکتوب گرامی آپ کے والد کے نام

اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ ہر طرح کی حمد اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ عاقبت متقیوں کے لیے ہے، جنت موحدین کے لیے اور جہنم ملحدین کے لیے ہے اور سوائے ظالموں کے اور کسی پر زیادتی اچھی نہیں ہے اور نہیں ہے کوئی اللہ سوائے اس اللہ کے جو احسن الخالقین ہے اور اللہ

کی رحمتیں نازل ہوں اس کی بہترین مخلوق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی طیب و طاہر عترت پر۔

اما بعد! اے میرے شیخ! میرے معتمد! اور میرے فقیہ! ابو الحسن علی ابن الحسین قمی! اللہ تعالی تمہیں اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے تمہاری صلب میں صالح اولاد قرار دے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالی کا تقویٰ اختیار کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی، اس لیے کہ مانعین زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں کی جاتی نیز میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، لوگوں کی خطا معاف کرنے، غصہ پی جانے، اپنے اقربا کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کی، ان تمام حالات میں کسی کی حاجت برآوری کی اور جہل کا سامنا ہو تو اسے برداشت کرنے کی، تفقہ اور تمام امور میں ثابت قدمی کی اور قرآن مجید کے ساتھ تمسک کرنے کی، حسن خلق کی، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ [1]

ان لوگوں کی بیشتر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے، مگر یہ کہ کوئی صدقہ، نیکی یا لوگوں میں اصلاح کی کوئی تلقین کرے اور تمام برائیوں سے اجتناب کرنا اور نماز شب کی ادائیگی تم پر لازم ہے۔

اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ اے علی علیہ السلام تمہارے لیے نماز شب لازمی ہے اور آپؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا تھا اور جو شخص نماز شب کی اہمیت کو نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا تم میری وصیت پر عمل کرو اور میرے شیعوں کو بھی حکم دو کہ وہ اس پر عمل کریں اور تم

---

[1] ۴ نساء: ۱۱۴

پر لازم ہے کہ صبر سے کام لو اور فراخی و کشادگی کا انتظار کرنا ہے اور میرے شیعہ اکثر و بیشتر حزن و غم میں بسر کریں گے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لیے سب سے افضل عمل امام مہدی عجل اللہ فرجہ کے ظہور کا انتظار ہے۔ جس کی بشارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہو گی۔ پس اے میرے شیخ! صبر سے کام لو اور میرے شیعوں کو بھی تلقین کرو۔

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ[1]

بے شک یہ سرزمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے۔

تم پر اور ہمارے تمام شیعوں پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ[2] نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ[3]

ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

جو بہترین سرپرست اور بہترین مددگار ہے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے سوانح نگاروں نے ان کے والد کے نام حضرت حسن عسکری علیہ السلام کے اس خط کو نقل کرنے بعد تحریر کیا کہ اس خط کے پڑھنے کے بعد ہم اس امر کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ان کے والد کی عظمت و علو مرتبت کے لیے مزید کوئی دلیل پیش کریں۔ اس لیے کہ امام علیہ السلام نے اس خط میں ان کو شیخ و معتمد اور فقیہ کے لقب سے یاد کیا ہے اور ان کے لیے توفیق الٰہی اور ان کے صلب سے صالح اولاد پیدا ہونے کی دعا کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نسل میں بڑے بڑے علماء و فضلا و صلحا خصوصاً شیخ صدوق علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔

---

1 الاعراف: ۱۲۸ 2 آل عمران: ۱۷۳ 3 الانفال: ۴۰

حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ کی توقیع
(نامۂ گرامی دستخط کے ساتھ) آپ کے والد کے نام

الشیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب غیبت میں امام عصرؑ کی وہ توقیعات و خطوط جو ناحیہ مقدسہ سے جاری ہوئے، ان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ابو العباس احمد بن علی بن نوح سے روایت ہے اور انہوں نے ابی عبداللہ الحسین بن محمد بن سورہ قمی سے روایت کی ہے۔ جب کہ وہ سفرحج میں ہمارے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے علی بن الحسن بن یوسف الصائغ قمی اور محمد بن احمد بن محمد صیرفی بہ ابن دلال نے اور ان دونوں کے علاوہ مشائخ اہل قم نے کہ علی بن الحسین بن بابویہ (والد الشیخ صدوقؒ) کی زوجیت میں ان کے چچا محمد بن موسیٰ بن بابویہ کی دختر تھیں، مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تھی تو آپ نے حضرت ابو القاسم حسین بن روح علیہ الرحمہ (منجملہ نواب اربعہ) کو خط لکھا کہ وہ حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ سے درخواست کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمیں ایسی اولاد عطا کرے، جو فقیہ ہو۔ جواب میں یہ توقیع آئی کہ اس زوجہ سے تمہاری کوئی اولاد نہیں ہو گی، مگر عنقریب ایک دیلمی کنیز تمہاری ملکیت میں آئے گی اور اسی سے تمہارے دو فقیہ فرزند پیدا ہوں گے۔

ابو عبداللہ بن سورہ کا بیان ہے:

ابوالحسن بابویہ کے تین فرزند پیدا ہوئے۔ ایک محمد، دوسرے حسین۔ یہ دونوں فقیہ اور حفظ میں ماہر تھے۔ ان کے حافظہ کا یہ حال تھا کہ یہ دونوں وہ سب کچھ حفظ کر لیتے تھے، جن کو اہل قم میں سے کوئی حفظ نہیں کر پاتا تھا۔ ان کے تیسرے بھائی حسن تھے۔ جو منجھلے تھے۔ وہ فقیہ نہ تھے۔ لوگوں سے اختلاط کم رکھتے اور ہمیشہ زہد و عبادت میں مصروف رہتے اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے۔

ابن سورہ کا بیان ہے:

یہ دونوں حضرات ابو جعفر محمدؒ (شیخ صدوق) اور ان کے بھائی ابو عبد اللہ الحسین جس وقت روایات بیان کرتے تو لوگ حیرت زدہ رہ جاتے اور کہتے کہ آپ دونوں میں یہ خصوصیت امام علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہے اور یہ بات اہل قم میں مشہور تھی۔

حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف
کی دعا کی برکت

نجاشیؒ نے بھی اپنی کتاب رجال میں تحریر کیا ہے کہ شیخ صدوقؒ کے والد علیؒ بن الحسین ایک مرتبہ عراق تشریف لائے اور ابو القاسم حسین بن روحؒ سے ملاقات کی۔ ان سے چند مسائل دریافت کیے۔ پھر جب قم واپس گئے تو علی بن جعفر بن اسود کے توسط سے انہیں خط لکھا کہ میرا یہ عریضہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام تک پہنچا دیں۔ اس عریضہ میں انہوں نے اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی تھی اور امام علیہ السلام نے ان کے خط کا جواب دیا کہ میں نے تمہارے لیے اللہ تعالٰی سے دعا کی ہے اور عنقریب تمہارے ہاں دو بہترین فرزند پیدا ہوں گے نیز شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی کتاب کمال الدین و تمام النعمۃ صفحہ ۲۷۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

ابو جعفر محمد بن علی الاسود نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا: آپ کے والد یعنی علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عثمان عمریؒ کی وفات کے بعد مجھ سے فرمایا کہ آپ ابو القاسم روحی سے گزارش کریں کہ وہ مولانا صاحب العصر علیہ السلام کی خدمت میں میری طرف سے درخواست کریں کہ حضرت میرے لیے اللہ تعالٰی سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ایک فرزند نرینہ عطا فرمائے۔ میں نے ان کے کہنے کے بموجب ابو القاسم روحی سے گزارش کی تو انہوں نے انکار کر دیا، مگر تین دن کے بعد انہوں نے بتایا کہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام نے علی بن الحسین کے لیے دعا کر دی ہے اور عنقریب ان کے ہاں ایک مبارک فرزند پیدا ہوگا وہ لوگوں کو بہت نفع پہنچائے گا اور اس کے بعد اور بھی اولاد ہوگی۔ چنانچہ اسی سال آپ (یعنی محمد بن علی بن الحسین الشیخ صدوق) پیدا ہوئے۔

کہتے ہیں کہ جب محمد علی الاسود مجھے شیخ محمد بن حسن بن احمد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے درس میں جاتے ہوئے دیکھتے اور میرا علمی شوق اور حفظ ملاحظہ کرتے تو فرماتے:

تمہارے اندر جو علم سے اتنی رغبت ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں
اس لیے کہ تم امام علیہ السلام کی دعا کی برکت سے پیدا ہوئے ہو۔

نجاشی نے اپنی کتاب رجال صفحہ ۱۸۵ پر تحریر کیا ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اکثر فخر سے کہا کرتے تھے کہ میں حضرت صاحب العصر کی دعا کی برکت سے پیدا ہوا

ہوں۔ اس لیے کہ آپ امامؑ کی دعا کی برکت اور ان کی بشارت سے پیدا ہوئے اور امام علیہ السلام نے انہیں خیر و برکت و فقہ اور لوگوں کے لیے ان سے بہت زیادہ نفع پہنچنے کی امید دلائی تھی۔

آپ کا سن ولادت
حضرت حسینؒ ابن روح کی نیابت کا پہلا سال

ان کی ولادت قم میں ۳۰۵ھ کے بعد ہوئی جو حسین ابن روح کی سفارت کا پہلا سال تھا، جیسا کہ تاریخ کامل ابن اثیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ۳۰۵ھ کے حادثات میں تحریر کیا کہ اسی سن ماہ جمادی الاولیٰ میں ابو جعفر محمد بن عثمان عسکری کی وفات ہوئی اور یہ شیعہ کے رئیس و سردار تھے اور یہ امام منتظرؑ تک رسائی کا ذریعہ تھے۔ انہوں نے اپنی رحلت کے وقت ابو القاسم حسینؒ بن روح کو اپنا وصی بنایا۔

نشو ونما اور آپ کے اساتذہ

الشیخ صدوق علیہ الرحمہ کی نشو ونما، فضل وشرف کی آغوش میں ہوئی۔ ان کے پدر بزرگوار انہیں علوم و معارف کی غذا کھلاتے رہے اور اپنے علوم و آداب کی ان پر بارشیں کرتے رہے۔ اپنی صفات زہد وتقویٰ و ورع کی روشنیوں سے ان کے نفس کو جگمگاتے رہے اور اس طرح ان کی علمی نشو ونما مکمل ہوگئی۔

الغرض آپ اپنے باپ کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے، جن میں علم وعمل دونوں فضائل جمع تھے۔ ان میں دینی و دنیاوی وجاہتیں موجود تھیں۔ اس لیے کہ آپ کے والد اپنے زمانے میں قمیین کے شیخ اور ان کے فقیہ تھے۔ لوگوں کی نگاہیں ان ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ وہ اپنے علم اور دین داری کی وجہ سے مشہور تھے۔ اپنے ورع اور تقویٰ کی وجہ سے یہ بہت متعارف تھے۔ تمام دیار و امصار کے اکثر شیعہ آپ کے پاس آتے اور شرعی احکام حاصل کرتے۔

آپؒ ایسے ماحول میں پرورش پاتے رہے اور تقریباً بیس سال سے زیادہ آپ نے اپنے والد کا زمانہ پایا اور اسی اثنا میں وہ ان کے ایسے اخلاق و آداب و معارف و

علوم سے فیض حاصل کرتے رہے، جس کی بنا پر وہ اپنے ہم عصروں میں سب سے بلند تھے۔ آپ کی ابتدائی اور اولین نشو ونما ایران کے شہر قم میں ہوئی، جو اس وقت ایک بڑا علمی مرکز تھا، جس میں علما و محدثین کی کثرت تھی اور تحصیل علم کے لیے بڑا اچھا ماحول تھا۔ اہل قم ان میں خیر و بہتری کے نشانات دیکھ رہے تھے اور امام کی دعا کی وجہ سے لوگ ان سے بہتر توقعات رکھتے تھے۔ پھر بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یہ (شیخ صدوق علیہ الرحمہ) کامل جوان ہو گئے اور حفظ و ذکاوت کی ایک مثالی شخصیت بن کر ابھرے۔ شیوخ کی مجالس میں حاضر ہوتے ان سے احادیث سنتے اور ان سے روایت لیتے اور قلیل مدت میں لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہونے لگی۔ چنانچہ آپ نے شیوخ اہل قم سے مثلاً محمد بن حسنؒ بن احمد بن ولید اور حمزہؒ بن احمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علی علیہ السلام کے بہت کچھ سنا اور ان سے حاصل کیا اور اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ طلب حدیث کے لیے سفر کیا اور رجب ۳۳۹ھ میں وطن سے نکلے اور پے در پے مختلف شہروں کا سفر کرتے ہوئے اور ان شہروں کے علما سے استماع حدیث کرتے رہے۔ اس زمانے میں ایران پر آل زیاد اور آل بابویہ کی حکومت تھی۔ یہ لوگ اہل علم کی بڑی قدر و منزلت و خدمت کیا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے گرد علما و شعرا جمع ہو گئے، جیسے صاحب ابن عباد وغیرہ اور ان کے دور میں بہت سے علمی مراکز جا بجا قائم ہو گئے تھے۔ جیسے قم، خراسان، نیشاپور و اصفہان وغیرہ، جو علما و اساتذہ سے آباد تھے۔ طلبا وہاں تحصیل علم کے لیے جاتے اور وہاں کے امرا و حکام ان کی سرپرستی کرتے، ان کے لیے وظائف مقرر کرتے اور ان کا اکرام کرتے۔

آپ کی تصانیف

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے مختلف قسم کے علوم وفنون پر تین سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، جن کی یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے زمانے ہی میں آپ کی کتابوں کی نقلیں لوگ کرنے لگے۔ چنانچہ شریف نعمت نے آپ کی دو سو پینتالیس (۲۴۵) کتابیں نقل کرا لیں، مگر افسوس اس علمی خزانے میں سے اب صرف چند ہمارے پاس موجود ہیں، جو ان کے علم اور ان کی عظمت کی سچی دلیلیں ہیں اور ان میں سے بھی

چند طبع ہوئی ہیں اور اکثر غیر مطبوع اور قلمی ہیں۔ نجاشیؒ و شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب رجال میں، علامہ حلیؒ نے خلاصۃ الاقوال میں، ابن شہر آشوبؒ نے معالم العلما میں شیخ صدوقؒ کی ایک سو ننانوے (۱۹۹) کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

تلامذہ

اگر ہم ان تمام لوگوں کو تلاش کرنا چاہیں جنہوں نے شیخ صدوقؒ سے روایت کی ہے اور ان سے علم حاصل کیا ہے تو بحث بہت طویل ہو جائے گی اور اس کے لیے ایک بڑا وقت درکار ہوگا۔ ان کے چند مشہور تلامذہ کے سوا جن کے نام زبان زد خلائق ہیں اور ان کی تعداد تقریباً بیس ہے۔

شیخ صدوقؒ کے خاندان کے علماء

آپ کے خاندان کو علماء مشائخ کے ہاں بہت بڑے فضل و شرف کا مقام حاصل تھا، اس لیے کہ ان میں بہت سے علماء و محدثین اور بڑے بڑے فقہا پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی خدمت کی اور اپنی تالیفات اور مرویات کے ذریعہ اہل بیت علیہم السلام کے آثار کی حفاظت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس خاندان کے علمائے اعلام شیعہ کے لیے باعث افتخار اور آسمان علم کے درخشاں ستارے ہیں۔

وفات

شیخ صدوقؒ کی وفات ۳۸۱ھ کو شہر رے میں ہوئی۔ ان کی قبر شہر رے میں سید عبد العظیم حسنیؒ کی قبر کے قریب ایک قطعہ زمین میں واقع ہے، جو آپ کی قبر کی وجہ سے زیارت گاہ بن گئی ہے۔ لوگ یہاں زیارت کے لیے آتے ہیں اور اس سے برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ آپؒ کی وفات کے بعد یہ مشہور ہو گیا کہ یہاں سے برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لیے سلطان فتح علی قاچار نے ۱۲۳۸ھ میں آپ روضے کی جدید تعمیر کرا دی۔ آپؒ کی قبر شریف آج بھی ان چند عظیم روضوں میں شمار ہوتی ہے جہاں شیعہ

زائرین حصول برکت کے لیے تمام اقطار و امصار سے پہنچتے ہیں۔
(مأخذ: دلیل القضاء الشرعی جلد ۱۳، ص ۱۴۵ مع الاضافہ)

(علامہ) محمد صادق بحر العلوم
نجف اشرف

شیعہ اثنا عشری کا
عقیدۂ توحید

اس کتاب کے مصنف، فقیہ، عالم ربانی الشیخ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی فرماتے ہیں:

جان لیجیے، کہ توحید کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مثل و مانند نہیں۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ سنتا ہے۔ (ہر آواز کا علم رکھتا ہے)۔ دیکھتا ہے (یہ دکھائی جانے والی چیزوں کا علم رکھتا ہے)۔ ہر شے سے باخبر ہے۔ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ زندہ ہے اور اسے زوال نہیں ہے۔ غالب ہے۔ منزہ ہے۔ سب چیزوں کا علم رکھتا ہے۔ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ بے نیاز ہے۔ اس کی پاک ذات ایسی ہے کہ اسے جوہر[1]، عرض[2]، جسم[3]، صورت[4]، خط[5]، سطح[6]، ثقل، خفت، حرکت[7]، سکون[8]، مکان[9]

---

[1] وہ حقیقت جس کے وجود میں آنے کے لیے موضوع یا محل کی ضرورت نہیں۔ جس طرح سفیدی کے عارض یا موجود ہونے کے محل (دیوار، کاغذ) کی ضرورت ہوتی ہے۔

[2] وہ حقیقت جو موضوع یا محل کی طرف محتاج ہو، جیسے کاغذ اور دیوار کا رنگ۔

[3] وہ شے جو طول، عرض اور عمق رکھتی ہو۔ جیسے کہ اینٹ ہے۔

[4] وہ جوہر ہے جس سے شے کو فعلیت مل جاتی ہے۔

[5] خط جسم کا وہ کنارہ ہے جس میں طول ہو لیکن عرض اور عمق نہ ہو۔

[6] جسم کا وہ حصہ جس میں طول اور عرض تو ہو مگر عمق نہ ہو۔

[7] جسم کا ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونا۔

[8] ایسی شے میں حرکت کا نہ ہونا جو متحرک ہو سکتی ہو۔

[9] جسم حاوی کا سطح باطن جو جسم محوی کے سطح ظاہر سے ملتا ہو۔

اور زمان، جیسی صفات سے متصف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ سب مادی (یعنی مادی مخلوق کی) صفات ہیں اور وہ اپنی مخلوقات کی تمام صفات سے منزہ اور مبرئی ہے۔ نہ وہ ایسی ذات ہے جس سے فضل و کمال کی نفی کی جائے اور نہ ہی اس کے کمال کو مخلوق کے کسی کمال سے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ موجود ہے، لیکن دیگر موجودات کی طرح نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا کہ جسے وارث بنایا جائے اور نہ وہ خود کسی سے پیدا ہوا کہ اس کی صفات یا ذات میں شریک قرار پائے۔

اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ کوئی ضد نہیں ہے۔ کوئی شبیہ نہیں ہے۔ کوئی شریک حیات نہیں ہے۔ کوئی مثل و نظیر نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مشیر کار ہے۔ وہ ایسا لطیف و خبیر ہے کہ آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں، وہ آنکھوں کے حال سے باخبر ہے۔ انسانی وہم و خیال اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، جبکہ وہ انسانی وہم و خیال کا احاطہ رکھتا ہے۔ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ ہر شے کا خالق وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ خلق اور حکمرانی کرنا اسی کا حق ہے۔ بابرکت ہے وہ ذات جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق جیسا سمجھے وہ مشرک ہے اور جو شخص توحید کے باب میں سابق الذکر عقیدے کے علاوہ کسی عقیدے کو شیعوں کی طرف منسوب کرے، وہ جھوٹا ہے۔

ہر وہ حدیث جو کتاب خدا کے مطابق نہ ہو، وہ باطل ہے اور اگر اس قسم کی حدیث ہمارے علماء کی کتابوں میں پائی جائے تو وہ مدلس[1] ہوگی۔ جن روایات سے جاہلوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان میں خدا کو مخلوق سے تشبیہ دی گئی ہے تو ان کے معانی بھی وہی مراد لیے جائیں گے جو اس قسم کی قرآنی آیات کے سلسلے میں لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت قرآنی ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ[2]

ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔

اس آیت میں وجہ سے مراد دین اسلام ہے، جس سے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور خدا کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیہ شریفہ ہے:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ[3]

---

[1] وہ حدیث جسے مخالفین نے دھوکہ دینے کے لئے شیعہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

[2] القصص: ۸۸ [3] القلم: ۴۲

جس دن مشکل ترین لمحہ آئے گا اور انہیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

(اگر یہاں کشف ساق سے مراد پنڈلی کھولنا مراد لیا جائے جیسا کہ عامہ کا نظریہ ہے تو اللہ کی نسبت تشبیہ اور تجسم کے باطل عقیدے کا تسلیم و اقرار لازم آئے گا۔)

پس کشف ساق سے مراد قیامت کی ہولناکی، شدت اور سختی کا نمایاں ہونا ہے۔ایک اور مقام پر قرآن مجید میں آیا ہے:

وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِي[1]

اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔

یعنی حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے بدن میں روح ڈال دی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: روحی میری روح، بالکل اس طرح ہے، جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے دیگر موارد میں فرمایا ہے: بیتی میرا گھر، عبدی میرا بندہ، جنتی میری جنت، ناری میری دوزخ، سمائی میرا آسمان اور ارضی میری زمین۔ یعنی یہاں روحی سے مراد میری مخلوق ہے اور قرآن میں ہے:

بَلۡ يَدَاهُ مَبۡسُوطَتَانِ[2]

اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

یہاں ید سے مراد نعمت اور یداہ سے مراد دنیا و آخرت کی نعمت ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَالسَّمَاءَ بَنَيۡنَاهَا بِأَيۡيدٍ[3]

اور آسمان کو ہم نے اپنی قوت سے بنایا۔

اید، ید ہاتھ کی جمع ہے، جس سے مراد اللہ کی قوت و طاقت ہے۔ اس مطلب کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَا دَاوُودَ ذَا الۡأَيۡدِ....[4]

اور (ان سے) ہمارے بندے داؤد کا قصہ بیان کیجیے جو طاقت کا مالک تھے۔

---

[1] الحجر: ۲۹ [2] المائدۃ: ۶۴ [3] الذاریات: ۴۷ [4] ص: ۱۷

یعنی صاحب قوت ہیں۔ ایک اور مقام پر ابلیس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ [1]
فرمایا: ابلیس! جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اسے
سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟
ایک اور جگہ فرمایا:
وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [2]
اور قیامت کے دن پوری زمین اس کے قبضہ قدرت میں ہوگی
نیز فرمایا:
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ [3]
اور آسمان اس کے دست قدرت میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔
نیز فرمایا:
وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا [4]
اور آپ کا پروردگار (حکم) حاضر ہوگا اور فرشتے صف در صف
ہوں گے۔
جَآءَ رَبُّكَ۔ یہاں خدا کے آنے سے مراد امر خدا کا آنا ہے۔ یعنی تمہارے
پروردگار کا حکم آئے گا اور فرمایا:
كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ [5]
ہرگز نہیں! اس روز یہ لوگ یقیناً اپنے رب (کی رحمت) سے
اوٹ میں ہوں گے
اور فرمایا:
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ [6]
کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے
پاس آئے۔

۱۔ ص: ۷۵ ۲۔ الزمر: ۶۷ ۳۔ الزمر: ۶۷
۴۔ الفجر: ۲۲ ۵۔ مطففین: ۱۵ ۶۔ البقرۃ: ۲۱۰

یہاں خدا کے آنے سے مراد عذاب خدا کا آنا ہے اور فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ [1]

بہت سے چہرے اس روز شاداب ہوں گے۔ وہ اپنے رب (کی رحمت) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

یعنی اپنے رب کے اجر وثواب کے انتظار میں ہوں گے اور قرآن میں ہے:

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى [2]

اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تحقیق وہ ہلاک ہو گیا۔

غضب الٰہی سے مراد عذاب اور رضا الٰہی سے مراد اس کا ثواب ہے۔ قرآن کریم میں ایک اور مقام پر آیا ہے:

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ [3]

تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے اسرار نہیں جانتا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ [4]

اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔

یعنی اپنے انتقام سے ڈراتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [5]

اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے۔

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ [6]

---

[1] القیامۃ: ۲۲-۲۳ [2] طٰہٰ: ۸۱ [3] المائدۃ: ۱۱۶ [4] آل عمران: ۲۸
[5] الاحزاب: ۵۶ [6] الاحزاب: ۴۳

وہی (اللہ) تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (دعا کرتے ہیں)

الصلواۃ من اللہ سے مراد اس کی "رحمت" ہے۔

الصلوۃ من الملائکۃ سے مراد "طلب مغفرت" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزگی کا بیان ہے۔

الصلوۃ من الناس سے مراد "دعا" ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ [1]

ان لوگوں نے (عیسیٰ کے قتل کی) تدابیر سوچیں اور اللہ نے (بھی جوابی) تدبیر فرمائی کہ اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ [2]

اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ انہیں دھوکہ دے رہا ہے۔

اور فرمایا:

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ..... [3]

اللہ بھی ان کے ساتھ تمسخر کرتا ہے...

اور فرمایا:

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ..... [4]

اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے...

اور فرمایا:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ..... [5]

انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا ہے....

---

[1] آل عمران: ۵۴ [2] النساء: ۱۴۲ [3] البقرۃ: ۱۵

[4] التوبہ: ۷۹ [5] التوبۃ: ۶۷

ان تمام آیات شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکر کرنے والوں کو مکر کی جزا، دھوکہ بازوں کو دھوکے کے سزا[1] ہنسنے والوں کو ہنسنے کی سزا، مسخرہ کرنے والوں کو تمسخر کی سزا اور بھول جانے والوں کو فراموشی کا عقاب دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی بھلا دیں گے۔

ان تمام آیات شریفہ کا مفہوم ومنشا وہ نہیں ہے جو کلام کے ظاہر سے استفادہ ہوتا ہے، بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ مکر کرتا ہے، نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ ہنسی کرتا ہے اور نہ ہی تمسخر کرتا ہے اور نہ ہی اسے کبھی نسیان عارض ہوتا ہے۔ یہ سب کے سب ناممکنات ہیں، کیونکہ یہ عیوب میں شمار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام عیوب ونقائص سے پاک اور بلند و بالا ہے۔

جن روایات پر مخالفین اور بے دین افراد کے حملے ہوتے ہیں، ان میں اسی قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، لہٰذا ان لفظوں کے وہی معنی مراد لینے چاہیے جو قرآن میں ان کے معانی مراد لیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات ذات اور صفات فعل کے متعلق عقیدہ

الشیخ ابو جعفر بن بابویہؒ فرماتے ہیں: جب ہم خدا کی کوئی ایسی صفت بیان کرتے ہیں کہ جس کا تعلق اس کی ذات سے ہوتا ہے تو ہماری غرض اس مقام پر اس صفت کی ضد کی نفی کرنا ہوتی ہے۔

مثلاً ہم کہتے ہیں:

سمیعٌ: سنتا ہے۔ یعنی کسی آواز سے ناواقف نہیں ہے۔

بصیرٌ: دیکھتا ہے یعنی ہر دکھائی دینے والی شے سے آگاہ ہے نا آگاہ نہیں۔

---

[1] منافقین اہل ایمان نہیں تھے اور انہوں نے صرف اللہ کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کا اظہار کیا تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ مکر کیا یعنی ان کے مکر اور دھوکے کی سزا اس طرح سے دی کہ ایک طرف سے انہیں بھی دیگر اہل ایمان کی طرح روزہ، حج، نماز اور جہاد کا حکم دیا اور دوسری طرف سے ان کے کسی عمل یا عبادت کو قبول نہیں کیا بلکہ قیامت کے دن ان کے لیے درک اسفل اور عقاب کو تیار رکھا۔ (مترجم)

حکیمٌ: حکمت والا ہے اس کا کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔
قادرٌ: قدرت رکھتا ہے یعنی عاجز نہیں ہے۔
عزیزٌ: غالب ہے یعنی مغلوب نہیں ہے۔
حیٌ: زندہ ہے یعنی موت عارض نہیں ہوتی۔
قیــومٌ: اللہ خود سے قائم دائم ہے کسی اور کے ذریعے نہیں، جب کہ تمام موجودات اس کے ذریعے قائم ہیں اور جو ذات ایسی ہو اس کے لیے زوال نہیں ہے۔
واحدٌ: یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔
قدیمٌ: ازل سے ہے، حادث نہیں ہے۔

یہ سب صفات ذات ہیں اور صفات ذات عین ذات ہیں اور ہم قائل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے:

خالقٌ: خالق ہے۔
فاعلٌ: فاعل ہے۔
شائیٌ: صاحب مشیت ہے۔
مریدٌ: صاحب ارادہ ہے۔
راضیٌ: راضی و خوشنود ہے۔
ساخطٌ: ناراض ہے۔
رازقٌ: رزق دینے والا ہے۔
وھابٌ: عطا کرنے والا ہے۔
متکلمٌ: کلام پیدا کرنے والا ہے۔

ہم قائل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے، کیونکہ یہ سب کی سب صفات فعل اور حادث ہیں، اسی لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ان صفات کے ساتھ متصف ہے۔

(شرعی) تکلیف کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفر صدوق فرماتے ہیں: (شرعی) تکلیف کے بارے میں ہمارا عقیدہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے کم ہی تکلیف دی ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے:

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1]

ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتے۔۔۔

اور وسعت، طاقت سے کم درجے کو کہا جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

و اللّٰہ ما کلف اللّٰہ العباد الا دون ما یطیقون لانہ انما کلفھم فی کل یوم و لیلۃ خمس صلوات و کلفھم فی سنۃ صیام ثلثین یوما و کلفھم فی کل ماتی درھم خمسۃ دراھم و کلفھم فی العمر حجۃ واحدۃ و ھم یطیقون اکثر من ذلک۔

خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اتنی ہی تکلیف دی ہے جو ان کی طاقت سے کم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر تمام شب و روز میں صرف پنجگانہ نمازیں فرض کی ہیں۔ پورے سال میں تیس دن کے روزے واجب کیے ہیں اور ہر دو سو درہموں پر (سال بھر میں) پانچ درہم زکوۃ دینی واجب کی ہے اور عمر بھر میں ایک حج واجب قرار دیا ہے۔ حالانکہ بندے اس سے زیادہ کی طاقت رکھتے ہیں۔[2]

بندوں کے افعال کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفرؒ (صدوق) فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ انسانی اعمال کا خالق تقدیری[3] ہے، خالق تکوینی نہیں ہے۔[4] بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ ازل سے انسانی افعال کا عالم ہے

---

[1] الانعام: ۱۵۲ [2] محاسن برقی ۱/۲۹۶

[3] خلق تقدیری سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کر کے اچھے اور برے کام کی طاقت دے دی ہے۔ اب بندے جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ البتہ خدا ان سب کا علم رکھتا ہے۔

[4] اور خلق تکوینی کا معنی یہ ہے کہ خداوند عالم بندوں کو پیدا کرنے کے بعد ان کے افعال کا خالق بھی ہے۔ اب اگر کوئی چوری کرتا ہے تو معاذ اللہ خدا ہی کراتا ہے۔

(ان کا خالق نہیں ہے)۔

جبر وتفویض کی نفی میں ہمارا عقیدہ

ہمارا عقیدہ وہ ہے کہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

لا جبر و لا تفویض ولکن امر بین امرین قال، قلت و ما امر بین الامرین قال مثل ذلک رجل رایته علی معصیة فنهیته فلم ینتهه فترکته ففعل تلک المعصیة فلیس حیث لم یقبل منک فترکته کنت انت الذی امرته بالمعصیة۔

نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ دو اوامر کے درمیان ایک امر ہے۔

کسی نے پوچھا: دو اوامر کے درمیان ایک امر کیا ہے؟

فرمایا: اس کی مثال یہ ہے کہ تم کسی شخص کو برے کام پر آمادہ دیکھ کر منع کرو، لیکن وہ تمہاری بات نہ مانے۔ پس تم اسے چھوڑ دو اور وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کے قبول نہ کرنے کا اور تمہارے چھوڑ دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم نے ہی اسے گناہ کا حکم دیا ہے۔

ارادہ اور مشیت الٰہی کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں: اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ وہی ہے جسے صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے:

خدا چاہتا ہے، ارادہ فرماتا ہے۔ اسی طرح، وہ نہیں چاہتا ہے، وہ راضی نہیں ہے۔

ان چار امور کی تفصیل کچھ یوں ہے:

شاء اللّٰہ: کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے خدا کے علم میں ہوتا ہے۔

اراد اللّٰہ: یعنی ارادے کا بھی وہی مطلب جو شاء اللّٰہ کا ہے۔

لم یحب: خدا پسند نہیں کرتا کہ اسے تین (اللہ، عیسیٰ، مریم) میں سے ایک کہا جائے۔

لـم یرض: کے معنی یہ ہیں کہ خدا بندوں کے کفر سے راضی نہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ [1]
(اے محمد) جسے آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں کر سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔
اور فرمایا:
وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ [2]
اور تم صرف وہی چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے۔
اور فرمایا:
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۹۹﴾ [3]
اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام اہل زمین ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں؟
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ...[4]
اور کوئی شخص اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا۔
اور جیسا کہ فرمایا:
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ...[5]
اور کوئی جاندار اذن خدا کے بغیر نہیں مر سکتا۔ اس نے (موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے۔
اور اسی طرح فرمایا:
لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا [6]
وہ کہتے ہیں: اگر (قیادت میں) ہمارا کچھ دخل ہوتا تو ہم یہاں

---

[1] القصص: ۵۶ [2] التکویر: ۲۹ [3] یونس: ۹۹
[4] یونس: ۱۰۰ [5] آل عمران: ۱۴۵ [6] آل عمران: ۱۵۴

مارے نہ جاتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ[1]

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، پس انہیں بہتان تراشی کی حالت میں چھوڑ دیں۔

نیز فرمایا:

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا....[2]

اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو یہ لوگ شرک کر ہی نہیں سکتے تھے....

نیز فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا....[3]

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے۔

نیز فرمایا:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ[4]

پس جسے اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہو۔

اور فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ[5]

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (اپنے احکام) کھول کھول کر بیان کرے اور تمہیں گزشتہ اقوام کے طریقوں پر چلائے نیز تمہاری طرف توجہ کرے۔

اور فرماتا ہے:

---

[1] الانعام: ۱۱۲ [2] الانعام: ۱۰۷ [3] السجدۃ: ۱۳ [4] الانعام: ۱۲۵ [5] النساء: ۲۶

يُرِيدُ اللهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ....[1]

اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے نصیب میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے۔

اور فرماتا ہے:

يُرِيدُ اللهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ [2]

اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [3]

اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

نیز ارشاد ہے:

وَاللهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوٰتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿۲۷﴾ [4]

اور اللہ (اپنی رحمتوں کے ساتھ) تم پر توجہ کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بے راہروی میں پڑ جاؤ۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا اللهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ [5]

اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اللہ جل شانہ کے ارادہ مشیت سے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ لیکن (ان تمام تصریحات کے باوجود) ہمارے مخالفین ہم پر طعن و تشنیع سے باز نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ بندوں سے معصیت صادر ہو اور

---

[1] آل عمران: ۱۷۶ [2] النساء: ۲۸ [3] البقرة: ۱۸۵
[4] النساء: ۲۷ [5] غافر: ۳۱

اللہ تعالیٰ کا ہی ارادہ تھا کہ حسین بن علی علیہما السلام قتل ہوں۔ جب کہ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ یہ ہے کہ معصیت کاروں کی معصیت اور اطاعت گزاروں کی اطاعت یکساں نہ ہو اور وہ یہ چاہتا ہے کہ گناہ اور برے افعال اس کی طرف منسوب نہ ہوں۔ البتہ وہ گناہ کے سرزد ہونے سے قبل ہر گناہ کے بارے میں علم ضرور رکھتا ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق قتل امام حسین علیہ السلام منافی اطاعت اور معصیت ہے۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ آپؑ کا قتل ایک ایسا عمل تھا جس پر امر نہیں بلکہ ممانعت کی گئی تھی۔ ہم قائل ہیں کہ آپؑ کا قتل ایک قبیح عمل اور ناپسندیدہ اقدام تھا۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ آپؑ کے قتل کو جبر اور قدرت کے ذریعے روکا نہ جائے، جیسا کہ اس (قتل) سے نہی کے ذریعے ممانعت کی گئی تھی اور اگر وہ اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے زبردستی روکنا چاہتا، جس طرح قولاً روکا ہے تو یقیناً امام حسین علیہ السلام قتل نہ ہوتے، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ (ع) کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھنے کے لیے آگ کو حکم دیا تھا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ [1]

ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی بن جا۔

اور ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم تھا کہ امام حسین علیہ السلام ظلم سے شہید کیے جائیں گے اور اس شہادت سے آپؑ کو ابدی سعادت حاصل ہوگی اور آپ کے قاتل ہمیشہ کی بدبختی اور شقاوت میں مبتلا رہیں گے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا ہے۔

ارادہ اور مشیت الٰہی سے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ وہ نہیں جو ہمارے مخالفین، ملحدین اور طعن و تشنیع کرنے والے ہماری طرف منسوب کرتے ہیں۔

---

[1] الانبیاء: ۶۹

قضا و قدر کے متعلق عقیدہ

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ وہی ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے زرارہ کے سوال کے جواب میں فرمایا: زرارہ نے سوال کیا: اے میرے آقا! آپ قضا، و قدر کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

اقول ان اللہ عزوجل اذا جمع العباد یوم القیامة سئلھم عما عھد الیھم و لم یسأ لھم عما قضی علیھم و الکلام فی القدر و منھی عنه کما قال امیر المؤمنین لرجل و قد سأله عن القدر فقال له بحر عمیق فلا تلجه ثم سأله ثانیة عن القدر فقال طریق مظلم فلا تسلکه ثم سأله ثالثة فقال سر اللہ فلا تتکلفه ۔

میں کہتا ہوں کہ جب روز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جمع کر کے سوال کرے گا تو ان سے صرف ان امور کے متعلق سوال کیا جائے گا جن کا ان سے عہد و پیمان لیا گیا تھا۔ ان امور سے متعلق باز پرس نہیں کی جائے گی جنہیں اس نے اپنی قضا و قدر سے نافذ کیا ہے۔ مسئلہ قدر کے بارے میں بحث کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اس شخص کے جواب میں فرمایا تھا جس نے مسئلہ قدر کے متعلق آپؑ سے سوال کیا تھا: مسئلہ قدر ایک گہرا سمندر ہے، اس میں داخل نہ ہو۔ اس شخص نے وہی سوال دہرایا تو آپؑ نے فرمایا: وہ ایک تاریک راستہ ہے، اس میں قدم نہ رکھو۔ اس شخص نے تیسری بار وہی سوال دہرایا تو آپؑ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے، اسے معلوم کرنے کی زحمت نہ کرو۔

امیر المومنین علیہ السلام نے قدر کے بارے میں فرمایا:

الا ان القدر سر من اسرار اللہ تعالیٰ و ستر من استار اللہ

و حرز من حرز الله مرفوع فی حجب الله مطوی عن خلق الله مختوم بختم الله سابق فی علم الله وضع الله عن العباد علمه و رفعه فوق شهاداتهم و مبلغ عقولهم لانهم لا ینالونه بحقیقة الربانیة و لا بقدرته الصمدانیة و لا بعظمته النورانیة و لا بعزته الوحدانیة لانه بحرز اخر مواج خالص لله عز و جل عمقه ما بین المشرق و المغرب اسود کاللیل الدامس کثیر الحیات و الحیتان تعلو مرة و تسفل اخریٰ فی قعره شمس تضیئ لا ینبغی یطلع علیها الا الواحدا لفرد الصمد فمن تطلع علیها فقد ضاد الله فی ملکه حکمه و نازعه فی سلطانه و کشف عن سره و ستره و باء بغضب من الله و ماواه جهنم و بئس المصیر

خبردار! مسئلہ قدر، اللہ تعالیٰ کے سربستہ بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا پوشیدہ امر ہے، جو حجاب خداوندی کے اندر محفوظ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی مہر لگی ہوئی ہے۔ علم خداوندی میں پہلے سے ہی موجود ہے اور اس نے اپنے بندوں کو اس کے علم سے آگاہ نہیں کیا۔ ان کے علم، مشاہدے اور عقل کی رسائی سے بہت زیادہ دور اور بلند رکھا ہے، کیونکہ بندے نہ اس کی ربانی حقیقت اور بے پناہ قدرت کا ادراک کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی نورانی عظمت اور نہ اس کی یکتائی تک ان کی رسائی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ موجزن اور تلاطم خیز سمندر ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اس کی گہرائی اور عمق زمین و آسمان کے فاصلے کے برابر ہے۔ مشرق و مغرب تک اس کی چوڑائی ہے۔ سیاہ رات کی طرح تاریک ہے۔ سانپ اور مچھلیاں کثرت سے موجود ہیں۔ وہ کبھی اوپر آ

جاتی ہیں تو کبھی تہ کی طرف اُتر جاتی ہیں۔ اس واحد و یکتا اور بے نیاز خدا کے سوا کسی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ قضا و قدر کے متعلق علم و اطلاع حاصل کرے۔ جو شخص اس کی حقیقت سے آگاہ ہونے کی کوشش کرے گا وہ حکم خدا کی مخالفت، اس کی سلطنت میں جھگڑا، اسرار الٰہی کو فاش اور عذاب و غضب الٰہی میں گرفتار ہونے والا قرار پائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم اور اس کا انجام برا ہو گا۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ایک گرنے والی دیوار سے بچ کر دوسری طرف چلے تو کسی نے عرض کیا:

یا امیر المومنینؑ! کیا آپؑ قضائے الٰہی سے بھاگنا چاہتے ہیں؟

تو آپؑ نے فرمایا:

افر من قضا اللّٰہ الی قدر اللّٰہ۔

ہاں! میں قضائے الٰہی (غیر حتمی) سے بھاگ کر تقدیر الٰہی کی طرف جاتا ہوں۔

کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

کیا تعویذ بھی قضا و قدر کو ٹال سکتا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا:

ھی من القدر۔

ہاں، تعویذ بھی قدر میں سے ہی ہے۔

فطرت اور ہدایت کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفرؒ (صدوق) فطرت و ہدایت کے متعلق فرماتے ہیں: اس سلسلے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو (عقیدہ) توحید پر پیدا کیا ہے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا [1]

---

[1] الروم: ۳۰

اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ [1]

اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا، جب تک ان پر یہ واضح نہ کردے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کو وہ تمام امور بتا دیے جو اس کی خوشنودی کا باعث ہوتے ہیں اور ان باتوں سے بھی آگاہ کر دیا جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا [2]

پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی۔

اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی تفسیر میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

بین لها ما تاتی و ما تترك من المعاصی۔

اللہ تعالٰی نے وہ تمام احکام بتا دیے جن کو انجام دینا چاہیے اور ان سے بھی آگاہ کر دیا، جن سے پرہیز ضروری ہے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا [3]

ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی خواہ شکرگزار بنے اور خواہ ناشکرا۔

مذکورہ بالا آیۂ شریفہ کی تفسیر میں امام جعفر الصادق علیہ السلام نے فرمایا:

عرفناه، اما اخذا و، اما تارکا۔

ہم نے اس کو (صحیح راستہ) بتا دیا، اب وہ یا اُسے اختیار کرے گا یا اُسے چھوڑ دے گا۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى [4]

اور (ادھر) ثمود کو تو ہم نے راہ راست دکھا دی تھی مگر انہوں نے ہدایت کی جگہ اندھے رہنے کو پسند کیا۔

---

[1] التوبۃ: ۱۱۵ [2] الشمس: ۸ [3] الدھر: ۳ [4] فصلت: ۱۷

مذکورہ آیہ شریفہ کی تفسیر میں امام جعفر الصادق علیہ السلام نے فرمایا:

و ھم یعرفون۔

وہ لوگ حق کو پہچاننے کی باوجود گمراہی اختیار کیے ہوئے تھے۔

کسی نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اس آیہ شریفہ سے کیا مراد ہے؟

وَهَدَيْنَٰهُ ٱلنَّجْدَيْنِ [1]

اور ہم نے دونوں راستے (خیر و شر) اسے دکھا دیے۔

تو آپؑ نے فرمایا:

نجد الخیر و نجد الشر

ان سے مراد نیکی اور بدی کے راستے ہیں۔

اور فرمایا:

و ما حجب اللّٰہ علمہ عن العباد فھو موضوع عنھم۔ و قال ان اللّٰہ احتج علی الناس بما آتیھم و عرفھم۔

جن چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے پوشیدہ رکھا ہے، ان کی تکلیف بھی بندوں سے ساقط کر دی ہے اور جن احکام کو ان کے پاس بھیجا ہے ان کی تعلیم بندوں کو دے کر حجت قائم کر دی ہے۔

بندوں کی استطاعت کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفر صدوق فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں ہمارا عقیدہ وہی ہے جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کسی شخص کے جواب میں فرمایا تھا، جب اُس نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا تھا: کیا بندوں کے لیے کچھ قدرت ثابت ہے؟ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

نعم! بعد اربع خصال ان یکون مخلی السرب صحیح الجسم سلیم الجوارح لہ سبب وارد من اللّٰہ فاذا تمت ھذہ فھو مستطیع فقیل لہ مثل ای شی فقال یکون الرجل مخلی السرب صحیح الجسم سلیم الجوارح و

---

[1] البلد: ۱۰

لا یقدر ان یزنی الا ان یری امرأة فاذا وجد المراة فاما ان یعصم فیمتنع کما امتنع یوسف و اما ان یخلی السرب بینه و بینها فیزنی و هو زان و لم یطع اللّٰہ باکراہ و لم یعص بغلبة ۔

ہاں، چار شرطوں کے بعد:

۱۔ اُس کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔

۲۔ وہ صحت مند ہو۔

۳۔ اس کے اعضا صحیح و سالم ہو۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے قوت بھی دی ہو۔

انسان میں جب یہ چار شرطیں مکمل ہوں تو وہ مستطیع کہلاتا ہے۔

کسی نے عرض کیا: اس کی مثال کیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا:

ایک شخص بااختیار ہے، اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں، بدن اس کا صحیح اور اعضا سالم ہیں تو اب اگر وہ زنا کرنا چاہے تو اس وقت تک اس پر قادر نہیں کہلائے گا، جب تک اُسے کوئی عورت نہ مل جائے۔ پھر یا تو وہ توفیق خداوندی سے زنا سے رک جائے گا، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس (فعل حرام) سے رک گئے یا اس عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوگا تو زانی کہلائے گا۔ پس نہ تو اس نے مجبور ہو کر خدا کی اطاعت کی ہے اور نہ ہی خدا پر غالب آ کر معصیت کی ہے۔

آیہ شریفہ

وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ [1]

حالانکہ انہیں سجدے کے لیے اس وقت بھی بلایا جاتا تھا جب لوگ سالم تھے۔

کے متعلق امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

---

[1] القلم: ۴۳

مستطیعون الاخذ بما امروا به و بترك ما نهوا عنه و بذلك ابتلوا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ ان کاموں کو انجام دینے کی طاقت رکھتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور ان کاموں سے رکنے کی طاقت و قدرت رکھتے ہیں جن سے انہیں روکا گیا ہے۔ اسی بنا پر ان کا امتحان لیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

فی التوراة مکتوب یا موسیٰ انی خلقتك و اصطفیتك و هدیتك و قویتك و امرتك بطاعتی و نهیتك عن معصیتی فان اطعتنی اعنتك علی طاعتی و ان عصیتنی لم اعنك علی معصیتی و لی المنة علیك فی طاعتك و لی الحجة علیك فی معصیتك لی۔

تورات میں ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے تجھے پیدا کیا۔ تجھے چن لیا۔ تیری ہدایت کی۔ تجھے طاقت دی۔ اپنی اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے روکا۔ پس اگر تو میری اطاعت کرے گا تو اس میں تیری مدد کروں گا اور اگر معصیت کرے گا تو اس پر تیری مدد نہیں کروں گا۔ اگر تو میری اطاعت کرے گا تو اس موقع پر میرا اعانت کرنا تجھ پر احسان ہوگا اور نافرمانی کے وقت میری حجت تجھ پر تمام ہوگی۔

بدا کے متعلق عقیدہ

الشیخ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں: یہودیوں کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کاموں سے فارغ البال ہو گیا ہے۔ مگر اس بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ[1]

---

[1] الرحمٰن: ۲۹

وہ ہر روز ایک (نئی) کرشمہ سازی میں ہے۔

ایک کام، دوسرے کام کے کرنے سے نہیں روک سکتا۔ وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے۔ وہی روزی دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، کیونکہ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ وہ اسی چیز کو مٹاتا ہے جو پہلے موجود ہو اور اسی چیز کو باقی رکھتا ہے جو پہلے موجود نہ ہو۔ یہ وہ بدا نہیں ہے کہ جس کے یہودی اور اس کے تابعین قائل ہیں۔ اور اسی بدا کو ملعون یہودی ہماری طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو دیکھ کر ہمارے مخالفین بھی ان کے ہم نوا ہو کر ہمیں مطعون کرتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ما بعث اللّٰہ نبیا قط حتی یاخذ علیہ الاقرار للّٰہ بالعبودیۃ و خلع الانداد و ان یؤخر ما یشآء و یقدم ما یشآء۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا سے اپنی معبودیت اور لاشریک ہونے کا اقرار لے کر دنیا میں بھیجا اور یہ بھی اقرار لیا کہ اللہ جسے چاہتا ہے مؤخر کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے مقدم کر دیتا ہے۔

اس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو تمام شریعتوں کا ناسخ اور آپؐ پر نازل شدہ احکام کو دیگر سابقہ احکام پر ناسخ قرار دے دیا۔ قرآن کریم کو نازل کر کے سابقہ کتب سماوی پر عمل سے روک دیا۔ یہی وہ بدا ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

امام جعفر الصادق علیہ السلام نے فرمایا:

من زعم ان اللّٰہ عز و جل بدا فی شیء و لم یعلمہ امس فابرء منہ۔

جس شخص کا خدا کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شے کے بارے میں بدا ہو گیا یعنی اللہ نے اپنے سابقہ ارادے پر تجدید نظر کی اور اب وہ قصد و ارادہ کر لیا جس سے کل وہ بے خبر تھا، میں ایسے شخص سے بیزار ہوں۔

نیز فرمایا:

من زعم ان اللّٰہ بداله فی شیء بدا ندامة فهو عندنا کافر باللّٰہ العظیم۔

اور جس کا گمان یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو کسی شے کے بنانے کے بعد ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے تو ایسا بندہ ہمارے نزدیک خدا کا منکر ہوگا۔

امام جعفر الصادق (ع) کے اس فرمان کہ خدا کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا جیسا میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں ہوا ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ایسی مصلحت کبھی ظاہر نہیں ہوئی، جیسی میرے فرزند اسماعیل کے بارے میں ہوئی کہ میری زندگی میں اسے موت دے دی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ میرے بعد امام نہیں ہیں۔

خدا کے بارے میں بحث و جدال کی ممانعت

شیخ صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: خدا کے بارے میں کج بحثی اور فضول گفتگو سے روکا گیا ہے، کیونکہ ایسی گفتگو ان باتوں کا سبب ہو جاتی ہے جو شان ایزدی کے مناسب نہیں ہوتیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس قول خدا کا مطلب پوچھا گیا:

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى [1]

اور یہ کہ (منتہائے مقصود) آپ کے رب کے پاس پہنچنا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا:

اذا انتهى الكلام الى الله فامسكوا۔

جب خدا کے بارے میں بات چیت ہونے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔

آپؑ ہی فرمایا کرتے تھے:

یا ابن آدم لو اکل قلبك طائر ما اشبعه و بصرك لو وضع علیه

---

[1] النجم: ۴۲

خرق ابرة لغطاه ترید ان تعرف بهما ملکوت السموات
و الارض ان کنت صادقاً فهذه الشمس خلق من خلق
اللّٰه ان قدرت فاملاء عینیك منها فهو کما تقول۔
اے فرزند آدمؑ! تیرا دل اتنا ہے کہ اگر اسے کوئی پرندہ کھالے تو
اس کا پیٹ بھی نہ بھرے اور تیری آنکھ کی یہ حالت ہے کہ اگر اس
پر سوئی کا ناکہ رکھ دیا جائے تو وہ چھپ جائے، تو کیا تو انہی دو
طاقتوں کے بل بوتے پر آسمان و زمین کی سلطنت کا علم حاصل
کرنا چاہتا ہے۔ اگر تو سچا ہے تو اس سورج کو جو خدا کی ایک مخلوق
ہے، ذرا آنکھ بھر کر تو دیکھ۔ اگر تو نے ایسا کرلیا تو ثابت ہو جائے
گا کہ جیسا تو کہتا ہے بات ویسی ہی ہے۔
مجادلہ ہر دینی بات میں ممنوع اور ناجائز ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام
نے ارشاد فرمایا:
من طلب الدین بالجدل تزندق۔
جو شخص مجادلہ[1] سے دین حاصل کرے وہ زندیق ہو جائے گا۔
امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:
یهلك اصحاب الکلام و ینجو المسلمون، ان
المسلمین هم النجباء۔
دین میں فضول باتیں کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں اور اطاعت
کرنے والے نجات پائیں گے۔ بے شک مطیع بندے بزرگ
مرتبہ لوگ ہیں۔
لیکن کلام خدا، کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقوال ائمہ علیہم السلام سے سند
پیش کرنا، حجت قائم کرنا اور مخالفین کے مقابلے میں دلیل قائم کرنا، اس شخص کے لیے
جائز ہے جو ان پاک ہستیوں کے اقوال بخوبی سمجھ کر اچھی طرح کلام کر سکے، ورنہ حرام

---

[1] مجادلہ اس بحث کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے کسی چیز کا ثابت کرنا یا باطل کرنا مدنظر نہ ہو، بلکہ ہر ایک کی غرض یہ ہو کہ دوسرا شخص لاجواب ہو جائے۔

اور ناجائز ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

حاجّوا الناس بکلامی فان حاجّوکم کنت انا المحجوج لا انتم۔

تم میرے کلام سے لوگوں پر حجت لایا کرو۔ پس اگر تم پر وہ لوگ (بحث میں) غالب آجائیں تو مغلوب میں ہوں گا نہ کہ تم۔

مروی ہے، آنجنابؑ نے فرمایا:

کلام فی حق خیر من سکوت علی باطل۔

باطل پر خاموشی سے امر حق میں گفتگو بہتر ہے۔

روایت ہے کہ ابو ہذیل علاف نے ہشام بن حکم سے کہا: میں اس شرط پر تم سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر تم مجھ پر غالب آجاؤ تو میں تمہارا دین اختیار کرلوں گا اور اگر میں تم پر غالب رہا تو تم میرے دین اور مذہب کو قبول کرو گے۔ ہشام نے جواب دیا: تم نے انصاف نہیں کیا، بلکہ میں اس شرط پر مناظرہ کروں گا کہ اگر میں تجھ پر غالب آگیا تو تو میرا مذہب قبول کرلے گا اور اگر تم مجھ پر غالب آئے تو میں (طلب جواب کے لیے) اپنے امام کی طرف رجوع کروں گا۔

لوح و قلم کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: لوح و قلم کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ دو فرشتے ہیں۔

کرسی کے متعلق عقیدہ

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کرسی کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کرسی ایک ظرف ہے جس میں تمام مخلوقات ہیں۔ عرش، سارے آسمان، زمینیں اور وہ سب چیزیں جو خدا نے پیدا کی ہیں۔ کرسی کے دوسرے معنی علم ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق دریافت کیا گیا:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ...[1]

اللہ کی کرسی آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔

تو حضرتؑ نے فرمایا:

ھو علمہ۔

اس آیت میں کرسی سے مراد خدا کا علم ہے۔

عرش کے متعلق عقیدہ

شیخؒ نے فرمایا: عرش کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ساری خلقت کے مجموعہ کا نام عرش ہے اور عرش کے دوسرے معنی علم خدا کے بھی ہیں۔

آیہ شریفہ:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ...[2]

وہ رحمٰن جس نے عرش پر اقتدار قائم کیا۔

کے بارے میں امام صادق (ع) سے دریافت کیا گیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا:

استوی من کل شیء فلیس شیء اقرب الیہ من شیء۔

خدا اپنی مخلوق سے یکساں نسبت رکھتا ہے، ایسا نہیں کہ ایک چیز اس سے قریب ہو اور دوسری دور ہو۔

لیکن وہ عرش جو ساری دنیا کا مجموعہ ہے، اس کے حامل آٹھ فرشتے ہیں کہ ہر ایک کی آٹھ آنکھیں ہیں اور ہر آنکھ (اتنی بڑی ہے کہ) ساری دنیا کو ڈھانک سکتی ہے۔ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں ہے۔ جو انسانوں کے لیے خدا سے روزی طلب کرتا رہتا ہے۔ دوسرا فرشتہ جو بیل کی شکل میں ہے، خدا سے چوپایوں کے واسطے رزق مانگتا ہے۔ تیسرا فرشتہ شیر کی صورت میں ہے جو درندوں کے لیے خدا سے روزی کی دعا کرتا ہے۔ چوتھا فرشتہ مرغ کی ہیئت رکھتا ہے، جو اللہ سے سارے پرندوں کے واسطے رزق مانگتا ہے۔ یہ حاملان عرش اس وقت چار ہیں جو روز قیامت آٹھ ہو

---

[1] البقرۃ: ۲۵۵ [2] طٰہٰ: ۵

ہو جائیں گے۔ لیکن عرش بمعنی علم اس کے حاملین، چار اولین میں سے ہیں اور چار آخرین میں سے ہیں۔ اولین میں سے چار یہ ہیں: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور آخرین میں سے چار یہ ہیں۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام۔

یہ مضمون ان احادیث کا ہے جن کی سندیں صحیح ہیں جو ائمہ علیہم السلام سے عرش اور حاملان عرش کے بارے میں منقول ہیں۔ ان حضرات کے عرش بمعنی علم الٰہی کے حامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے وہ انبیاء (ع) جن کی شریعتوں پر سب انبیاء (ع) عمل کرتے تھے اور ان کے توسط سے ان کو علوم حاصل ہوتے تھے، وہ حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ہی تھے۔ اسی طرح جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ، حضرت امام حسن اور امام حسین علیہم السلام سے علوم منتقل ہو کر بعد والے نو ائمہ (ع) کو حاصل ہوئے۔

نفس اور روح کے متعلق عقیدہ

شیخ صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نفس کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نفس وہ روح ہے جس پر زندگی قائم ہے اور یہی سب سے پہلی مخلوق ہے۔ جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

> ان اول ما ابدع اللّٰہ سبحانہ ھی النفوس المقدسۃ المطھرۃ فانطقھا بتوحیدہ ثم خلق بعد ذلک سائر خلقہ۔
>
> سب سے پہلے خدا نے پاکیزہ و مقدس نفوس کو خلق کیا، پھر ان سے اپنی توحید کا اقرار لیا، اس کے بعد ساری کائنات کو خلق فرمایا۔

یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ نفس باقی رہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، فنا ہونے کے لیے نہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ما خلقتم للفناء بل خلقتم للبقاء و انما تنقلون من دار

الی دار و انها فی الارض غریبۃ و فی الابدان مسجونۃ۔
تم لوگ فنا کے لیے نہیں بلکہ بقا کے لیے خلق ہوئے ہو۔ البتہ تم ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہو۔ یہ روحیں زمین پر مسافر اور بدن میں قیدی ہیں۔

اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جب (یہ روحیں) بدنوں سے جدا ہوتی ہیں تو وہ اس حالت میں باقی رہتی ہیں کہ ان میں سے بعض نعمت پا رہی ہوتی ہیں اور بعض عذاب جھیل رہی ہوتی ہیں (یہاں تک کہ) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قدرت وقوت سے انہیں ان کے بدنوں کی طرف لوٹا دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: میں تم سے سچی بات کرتا ہوں کہ آسمان کی طرف وہی چیز بلند ہوتی ہے جو وہاں سے نازل ہوتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر ہم چاہتے تو اس (بلعم باعور) کو اپنی آیات کے سبب بلند کر دیتے لیکن اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور مادی زندگی کی طرف مائل ہو گیا۔ پس ہر وہ چیز جو عالم ملکوت کی طرف بلند نہیں کی جاتی وہ جہنم کی آگ میں ڈالی جاتی ہے، کیونکہ بہشت کے بہت سے درجات اور جہنم کے مختلف طبقات ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ [1]

ملائکہ اور روح اس کی طرف اوپر چڑھتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ [2]

اہل تقویٰ یقیناً جنتوں اور نہروں میں ہوں گے۔ سچی عزت کے مقام پر صاحب اقتدار بادشاہ کی بارگاہ میں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ [3]

---

[1] المعارج: ۴ [2] القمر: ۵۴۔۵۵ [3] آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰

اور جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں۔ قطعاً انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں دیا ہے اس پر وہ خوش ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ [1]

اور جو لوگ راہ خدا میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو۔

اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف و ما تنکر منها اختلف۔

روحوں کے لشکر ہیں، جن لوگوں کی روحوں کے درمیان ایک دوسرے سے مانوسیت اور میل جول تھا وہ یہاں بھی ملے جلے رہتے ہیں اور جن کی روحوں میں باہمی نفرت تھی وہ یہاں بھی ایک دوسرے سے متنفر رہتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ اخیٰ بین الارواح فی الاظلة قبل ان یخلق الابدان بالفی عام فلو قد قام قائمنا اهل البیت لورث الاخ الذی اخی بینهما فی الاظلة و لم یورث الاخ من الولادة۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے روحوں کے درمیان جسموں کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل عالم ذر میں اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا۔ اگر ہمارے قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام کرتے تو ان بھائیوں کو ایک دوسرے کی وراثت دیتے جو عالم ذر میں بھائی بن چکے ہیں اور نسبی بھائی محروم رہتے۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام ہی کا فرمان ہے:

---

[1] البقرۃ:۱۵۴

[2] تناسخ کا قول باطل ہے اور جو شخص تناسخ کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ اس لیے کہ تناسخ کے سبب جنت و دوزخ کا ابطال لازم آتا ہے۔

ان الارواح لتلتقی فی الهواء فتعارف و تساء ل فاذا اقبل روح من الارض قالت الارواح دعوه فقد افلت من هول عظیم ثم سالوه ما فعل فلان و ما فعل فلان فکلما قال قد بقی رجوه ان یلحق بهم و کلما قال قد مات قالوا هوی هوی۔

روحیں ہوا میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں۔ ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ سوال و جواب کرتی ہیں۔ جب کوئی نئی روح زمین سے جا کر ان سے ملتی ہے تو وہ روحیں ایک دوسرے سے کہتی ہیں کہ چونکہ یہ روح بہت ہی خوفناک مقام سے گزر کر آئی ہے، لہٰذا اسے ابھی اس کے حال پر چھوڑ دو، بعد ازاں اس سے احوال پرسی کرتی ہیں کہ فلاں شخص کس حال میں ہے۔ جب یہ نئی روح کہتی ہے کہ ابھی وہ زندہ ہے تو یہ روحیں اس سے ملنے کے لیے پر امید ہو جاتی ہیں اور اگر یہ روح کہدے کہ وہ مر گیا ہے تو روحیں کہتی ہیں کہ وہ ہلاک ہوا، وہ ہلاک ہوا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى[1]

جس پر میرا عذاب نازل ہوا تحقیق وہ ہلاک ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۭ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۭ نَارٌ حَامِيَةٌ[2]

اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا، سو اس کا ٹھکانا ھاویہ ہوگا اور آپ کیا جانیں ھاویہ کیا ہے؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

دنیا اور اہل دنیا کی مثال ملاح، کشتی اور سمندر کی سی ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا:

---

[1] طٰہٰ:۸۱ [2] القارعۃ:۸تا۱۱

اے میرے بیٹے! دنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سے
عالم فنا ہو گئے ہیں۔ تم اس میں اللہ پر ایمان کو اپنی کشتی اور تقویٰ
و پرہیزگاری کو زاد راہ اور اللہ پر توکل کو اس کشتی کا بادبان قرار
دو۔ اب اگر تم سمندر کے اس پار صحیح و سلامت اتر گئے تو یہ خدا کی
خاص رحمت ہو گی اور اگر تم ہلاک ہوئے تو یہ ہلاکت تمہارے
گناہوں کے سبب ہو گی نہ کہ خدا کی طرف سے۔

اولاد آدم پر تین ساعتیں بہت سخت اور کٹھن ہیں۔ اس کی پیدائش کا دن، اس کے مرنے کا دن اور قبر سے زندہ ہو کر اٹھنے کا دن۔ بے شک ان تین مواقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سلامتی عطا کی، جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا[1]

اور سلام ہو ان پر جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن انہوں نے وفات
پائی اور جس دن انہیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

انہی تین مواقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے اوپر سلامتی کا اظہار کیا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

میرے لیے سلامتی ہے اس وقت جب میں پیدا ہوا اور جس روز
میں مروں گا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھایا جاؤں گا۔

روح کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ بدن کی جنس سے نہیں ہے، بلکہ اس کی تخلیق اور طرح کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ[2]

پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا۔

اور ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ انبیاء، رسل اور ائمہ اطہار علیہم السلام میں پانچ روحیں ہوتی ہیں:

۱۔ روح قدس۔ ۲۔ روح ایمان۔
۳۔ روح قوت۔ ۴۔ روح شہوت۔

---

[1] مریم: ۱۵ [2] المومنون: ۱۴

۵۔روح مدرج (حس و حرکت کی روح)۔

اور مومنین میں چار روحیں ہوتی ہیں:

۱۔روح ایمان۔ ۲۔روح قوت۔

۳۔روح شہوت۔ ۴۔روح مدرج۔

جبکہ کفار اور چوپایوں میں تین روحیں ہوتی ہیں:

۱۔روح قوت۔ ۲۔روح شہوت۔

۳۔روح مدرج۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ [۱]

اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: روح میرے رب کے امر سے متعلق (ایک راز) ہے۔

یہاں روح سے مراد وہ روح ہے جو جبرائیل و میکائیل سے برتر اور عظیم تر مخلوق ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ملائکہ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے ساتھ رہتی ہے۔ اس روح کا تعلق ملکوت سے ہے اور میں اس کے حوالے سے ایک کتاب لکھوں گا جس میں ان جملوں کی وضاحت کروں گا۔

موت کے بارے میں ہمارا عقیدہ

جناب شیخ فرماتے ہیں: کسی شخص نے امیر المومنینؑ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے لیے موت کی کیفیت بیان کیجیے۔ آپؑ نے فرمایا:

علی الخبیر سقطتم هو احد ثلاثة امور یرد علیه اما بشارة بنعیم الابد و اما بشارة بعذاب الابد و اما تخویف و تهویل و امره مبهم لا یدری من ای الفرق هو اما ولینا و المطیع لامرنا فهو المبشر بنعیم الابد و اما عدونا و المخالف لامرنا فهو المبشر بعذاب الابد و اما المبهم

---

[۱] الاسراء: ۸۵

امره الذی لا یدری ما حاله فهو المؤمن المسرف علی نفسه لا یدری ما یؤل الیه حاله یاتیه ۔ الخبر مبهما مخوفاً ثم لن یسویه اللّٰہ باعدائنا لکن یخرجه من النار بشفاعتنا فاعملوا و اطیعوا و لا تتکلوا و لا تستصغروا عقوبة اللّٰہ فان من المسرفین من لا تلحقه شفاعتنا الا بعد عذاب اللّٰہ ثلاثمائة الف سنة۔

تم نے ایسے شخص سے سوال کیا ہے جو موت کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہے۔ جب کسی کو موت آتی ہے تو وہ تین میں سے ایک چیز ضرور ہوتی ہے: یا دائمی نعمتوں کی بشارت یا دائمی عذاب کی خبر یا پھر مرنے والے کے لیے خوف و ہراس اور مبہم انجام کا پیغام کہ مرنے والے کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پس جو ہمارا دوست اور فرمانبردار ہوتا ہے، اسے ابدی نعمتوں کی خوش خبری دی جاتی ہے۔ ہمارے دشمن اور ولایت و امامت کے منکر کے لیے دائمی عذاب کی خبر دی جاتی ہے۔ لیکن وہ شخص جس کا انجام مبہم اور مشتبہ ہے، جو نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا، وہ ایسا مؤمن ہے جس نے اپنے نفس سے (اللہ کی نافرمانی کر کے) زیادتی کی ہے۔ اُسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ ایسے شخص کے پاس انجام کی خوفناک اور مبہم خبر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہمارے دشمنوں میں شامل نہیں کرے گا، بلکہ ہماری شفاعت کی وجہ سے اسے آتش جہنم سے نجات دے گا۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

تم عمل کرو۔ اطاعت کرو۔ اپنے نفسوں پر بھروسہ نہ کرو اور اللہ کے عذاب کو معمولی نہ سمجھو، کیونکہ گناہ گاروں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں تین تین لاکھ سال تک عذاب میں مبتلا رہنے سے پہلے ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام سے پوچھا گیا: موت کیا ہے جس سے لوگ بے خبر ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

اعظم سرور یرد علی المومنین اذا نقلوا عن دار النکد الی نعیم الابد و اعظم ثبور یرد علی الکافرین اذا نقلوا عن جنتھم الی نار لا تبید و لا تنفد۔

مؤمنین کے لیے موت بہت بڑی خوشی اور شادمانی ہے، کیوں کہ وہ دنیا کی مصیبتوں سے نجات پا کر اللہ کی ابدی نعمتوں کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ لیکن یہی موت کافروں کے لیے سخت ترین عذاب ہے، کیونکہ وہ اپنی جنت سے نکل کر اس جہنم کی طرف جا رہے ہوتے ہیں جو نہ کبھی بجھتی ہے اور نہ کبھی ختم ہوتی ہے۔

(عاشور کے دن) جب حضرت امام حسین علیہ السلام سخت امتحان میں تھے۔ بعض اصحاب نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھا تو آپ کو دوسروں سے مختلف حالت میں پایا، کیونکہ جب دوسروں پر مشکل وقت آتا تو ان کے چہروں کا رنگ متغیر ہو جاتا، ان کے کاندھے کانپنے لگتے، دل خوفزدہ اور پہلو شکستہ ہو جاتے، لیکن امام حسین علیہ السلام اور آپ کے بعض خاص اصحاب کی حالت یہ تھی کہ ان کے چہرے درخشاں، اعضا و جوارح میں سکون اور ان کے دل پوری طرح سے مطمئن نظر آتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر آپؑ کے بعض اصحاب ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ گویا آنجناب علیہ السلام کو موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تب امام حسین علیہ السلام نے یہ فرمایا:

صبراً بنی الکرام فما الموت الا قنطرۃ تعبر بکم عن البوس و الضرآء الی الجنان الواسعۃ و النعم الدائمۃ فایکم یکرہ ان ینتقل من سجن الی قصر و اما ھؤلآء اعدائکم کمن ینتقل من قصر الی سجن و عذاب الیم۔ ان ابی حدثنی بذلک عن رسول اللہ ان الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر و الموت جسر ھؤلاء الی

جحیمهم ما کذب و ما کذبت۔

اے شریف زادو! تھوڑا صبر کر لو، یہ موت ایک پل ہی کی مانند تو ہے، جو تمہیں تنگی، سختی اور مصیبت سے نجات دے کر وسیع و عریض جنتوں اور ابدی نعمتوں تک پہنچائے گی۔ تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو قید خانے سے رہا ہو کر جنت کے محلات میں نہیں جانا چاہتا؟ لیکن یہ جو تمہارے دشمن ہیں، ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو قصر سے نکل کر قید خانے اور دردناک عذاب کی طرف منتقل ہو رہا ہو۔ بے شک میرے والد گرامی نے میرے جد امجد کی یہ حدیث مجھے بیان کی ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت اور موت مومنوں کو جنت میں پہنچانے اور کافروں کو دوزخ میں لے جانے کا پل ہے۔ نہ میرے والد نے جھوٹ کہا ہے اور نہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے موت کے متعلق پوچھا گیا کہ موت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

للمومن کنزع ثیاب و سخة قملة او فك قیود و اغلال ثقیلة و الاستبدال بافخر الثیاب و اطیبها روائح و اوطی المراکب و آنس المنازل و للکافر کخلع ثیاب فاخرة و النقل عن منازل انیسة و الاستبدال باوسخ الثیاب و اخشنها و اوحش المنازل و اعظم العذاب۔

مومن کے لیے موت ایسی ہے جیسے میلے اور جوؤں والے کپڑوں کا اترنا یا بیڑیوں اور بھاری طوق کا اس سے جدا ہونا، تاکہ اس کے عوض پاک و پاکیزہ اور خوشبودار لباس زیب تن کر سکے اور اسے برق رفتار سواریاں اور دل لبھانے والے مکانات حاصل ہو سکیں۔ کافر کے لیے موت ایسی ہے۔ جیسے خلعت فاخرہ کا اترنا اور پسندیدہ، محبوب مکان سے نکال کر دردناک عذاب میں مبتلا کیا

جائے۔
امام باقر علیہ السلام نے اس سوال پر کہ موت کیا ہے؟ فرمایا:
هو النوم الذی یاتیکم فی کل لیلة الا انه طویل مدته لاینتبه منه الا یوم القیامة فمن رأی فی منامه من اصناف الفرح ما لا یقادر قدره و من رأی فی نومه من اصناف الاهوال ما لا یقادر قدره فکیف حال من فرح فی الموت و وجل فیه هذا هو الموت فاستعدوا له۔
موت نیند کی مانند ہے جو ہر رات تم کو آتی ہے، لیکن اس کی مدت اتنی طولانی ہے کہ مرنے والا قیامت سے پہلے بیدار نہیں ہوگا۔ تم میں سے بعض لوگوں کو خواب میں مختلف خوش کن چیزیں دیکھنے سے اس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے جو تمہارے اندازے سے باہر ہے۔ ہولناک چیزوں کا مشاہدہ کر کے اتنے رنجیدہ ہوتے ہیں کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس کیا حال ہوگا اس شخص کا جو موت کے وقت حقیقی ثواب یا عذاب کو دیکھے گا۔ اس کی خوشی یا اس کے غم کی کیا حالت ہوگی؟ یہ موت ہے۔ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلو۔
حضرت امام صادق علیہ السلام سے موت کے متعلق سوال کیا گیا کہ موت کی کیفیت بیان فرمایئے؟ تو آپ نے فرمایا:
هو للمؤمن کاطیب ریح یشمه فینعس لطیبه فینقطع التعب و الالم کله عنه و للکافر کلسع الافاعی و لدغ العقارب او اشد۔
مؤمن کے لیے موت بہترین خوشبو ہے جسے سونگھ کر وہ سو جاتا ہے۔ اس کی تمام تکالیف اور تھکن دور ہو جاتی ہے اور کافر کے لیے موت ایسی ہے جیسے کسی کو سانپ اور بچھو نے کاٹ کھایا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔
آپ سے عرض کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ موت کی شدت آریوں کے

چیرنے، قینچیوں کے کترنے، پتھروں سے کچلنے اور آنکھوں کے ڈھیلے میں چکی کی کیل گھمانے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

کذلك هو علی بعض الکافرین و الفاجرین ألا ترون من منهم من یعاین تلك الشدائد فذلك الذی هو اشدّ من عذاب الدنیا۔

ہاں بعض کافروں اور گناہ گاروں کی حالت موت کے وقت ایسی ہی ہوتی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ان میں سے بعض لوگ ان سختیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پس یہ موت ان کے لیے دنیاوی عذاب سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔

آپؑ سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ بعض کفار پر جانکنی سہل ہوتی ہے اور وہ نہایت ہنسی خوشی باتیں کرتے مر جاتے ہیں اور بعض مؤمنین اسی طرح مرتے ہیں جبکہ بعض مؤمن اور بعض کافر نزع کے وقت موت کے شدائد سے دوچار ہوتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

ما کان من راحة للمؤمنین فهو من عاجل ثوابه و ما کان من شدة فهو تمحیصة من ذنوبه لیرد الی الآخرة نقیا طاهرا نظیفا مستحقاً لثواب اللّٰه لیس له مانع دونه و ما کان هناك من سهولة علی الکافرین فلیستوفی اجر حسناته فی الدنیا لیرد الی الآخرة و لیس له الا ما یوجب علیه العذاب و ما کان من شدة علی الکافرین هناك فهو ابتدا عقاب اللّٰه عند نفاد حسناته ذلك بان اللّٰه عز و جل عدل لا یجور۔

جن مؤمنین کو جانکنی کے وقت راحت نصیب ہوتی ہے ان کا ثواب جلد اسی دنیا میں شروع ہو جاتا ہے اور جن مؤمنین کو حالت نزع میں شدت اور تکلیف ہوتی ہے، وہ انہیں گناہوں سے پاک کر دیتی ہے تاکہ وہ روز حشر پاک و پاکیزہ اور طیب و طاہر اور ثواب

کا استحقاق لے کر عالم آخرت میں اس طرح وارد ہوں کہ حصول ثواب میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور بعض کافروں کو جانکنی کی حالت میں جو آسانی نصیب ہوتی ہے، وہ اس کی دنیا میں کی ہوئی نیکیوں کا بدلہ ہے تاکہ جب آخرت میں حاضر ہو تو اس کے ان اعمال کی وجہ سے جو عذاب کا باعث ہیں، سوائے عذاب الٰہی کے کسی اور چیز کا مستحق نہ بنے۔ حالت نزع میں جو کفار سختی میں مبتلا ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی اچھے اعمال کا بدلہ دنیا میں حاصل کر چکے ہوتے ہیں، لہٰذا ان پر عذاب کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ بڑا عادل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک شخص کے سرہانے تشریف لے گئے جو حالت احتضار میں تھا۔ اسے پسینہ آ رہا تھا اور کسی کی بات کا جواب نہ دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا: اے رسولؐ کے فرزند! ہم اپنے دوست کی حالت اور موت کی کیفیت جاننا چاہتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

ان الموت هو المصفي يصفي المؤمنين من الذنوب فيكون آخر الم يصيبهم و كفارة آخر وزر عليهم و يصفي الكافرين من حسناتهم فيكون آخر لذة او نعمة او راحة تلحقهم و هو آخر ثواب حسنة لهم و اما صاحبكم فقد نخل من الذنوب نخلاً و صفي من الآثام تصفية و خلص حتى نقي كما ينقي الثوب من الوسخ و صلح لمعاشرتنا اهل البيت في دارنا دار الابد۔

موت صاف کرنے والی چیز ہے جو مؤمنوں کو گناہوں سے صاف کرتی ہے۔ یہ آخری تکلیف ہے جو مؤمنین پر آتی ہے اور ان کے آخری گناہ کا کفارہ ہے۔ یہی موت کافروں کو نیکیوں سے صاف اور محروم کر دیتی ہے اور یہ ان کے لیے آخری لذت، آخری نعمت

اور آخری راحت ہے جو انہیں ملتی ہے اور ان کی نیکیوں کی آخری جزا ہے۔ تمہارا دوست گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا جس طرح پاک ہونے کا حق ہے۔ اس کی برائیاں پوری طرح دور ہو گئیں، جس طرح کپڑا میل کچیل سے پاک ہو جاتا ہے اور اب ہم اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دار الابد میں دائمی زندگی گزارنے کی صلاحیت پا چکا ہے۔

حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہا السلام کے اصحاب میں سے ایک صحابی بیمار ہو گیا۔ آپؑ بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور پوچھا: اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟

عرض کیا: میں آپؑ کے بعد مر ہی گیا تھا۔ یعنی بیماری کی شدید سختی جھیلی۔

آپؑ نے فرمایا: تو نے کیسے موت کو دیکھا؟

عرض کیا: مجھے شدید تکلیف اور درد کا سامنا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: جو کیفیت تم نے دیکھی وہ موت نہ تھی، بلکہ وہ مرض تھا، جس نے تمہیں موت سے ڈرایا اور اس کی ایک جھلک دکھائی۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

انما الناس رجلان مستریح بالموت و مستراح به فجدد الایمان باللہ و النبوۃ و الولایۃ تکن مستریحاً ففعل الرجل ذلك ۔

انسان دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو موت سے راحت و آرام پاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کی موت سے لوگ آرام پاتے ہیں۔ تم توحید، رسالت اور ہماری ولایت و امامت کا اقرار کر کے ایمان کی تجدید کر لو تاکہ راحت پا سکو۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔

یہ حدیث طویل ہے۔ ہم نے ضرورت کے مطابق کچھ حصہ نقل کیا ہے۔

امام محمد تقی علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے جو موت کو ناپسند کرتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

لانهم جهلوه فکرهوه و لو عرفوه و کانوا من اولیاء اللّٰه حقاً لأحبوه و لعلموا ان الآخرة خیر لهم من الدنیا۔

یہ لوگ موت کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اس لیے اس سے کراہت کرتے ہیں۔ اگر یہ موت سے آگاہ ہوتے اور اللہ کے حقیقی دوست ہوتے تو ضرور موت کو محبوب رکھتے اور انہیں معلوم ہوتا کہ (ان کے لیے) آخرت دنیا سے بہت بہتر ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

یا عبد اللّٰه ما بال صبی و المجنون یمتنعان من الدواء المنقی لبدنه و النافی للألم عنه۔

اے اللہ کے بندو! کیا وجہ ہے کہ بچے اور دیوانے دوا نہیں پیتے، جب کہ یہ دوا ان کے بدن کو پاک اور بیماریوں کو ان سے دور کرتی ہے۔

سائل نے عرض کیا: یہ لوگ دوا کے فائدے سے بے خبر ہوتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا:

و الذی بعث محمدا بالحق نبیاً ان من قد استعد للموت حق الاستعداد فهو انفع لهم من هذا الدواء لهذا المعالج اما انهم لو عرفوا ما یودی الیه الموت من النعم لاستدعوه و احبوه اشد مما یستدعی العاقل الحازم الدواء لدفع الآفات و اجتلاب السلامة۔

مجھے اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برحق نبی بنا کے بھیجا۔ جو شخص موت کے لیے کماحقہ آمادہ ہو تو موت اس کے لیے اس دوا سے زیادہ نافع ہے جو بیمار کے لیے مفید ہوتی ہے۔ اگر انہیں اس کا علم ہوتا کہ موت کی وجہ سے (انہیں) کیسی کیسی نعمتیں حاصل ہوں گی تو وہ موت کی تمنا کرتے۔ جس طرح ایک عاقل مریض اپنے جسم کی سلامتی اور مرض کو دور کرنے کے

لیے دوا کی خواہش رکھتا ہے، اس سے زیادہ یہ موت سے محبت کرتے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اپنے ایک صحابی کے پاس ایسے وقت تشریف لے گئے، جب وہ موت کی وحشناک حالت کو دیکھ کر رو رہا تھا۔ موت سے ڈر رہا تھا آپؑ نے اس سے فرمایا:

یا عبد اللّٰہ! تخاف من الموت لانك لا تعرفه أ رأیتك اذا اتسخت ثیابك و تقذرت فتأذیت من کثرة القذر الوسخ علیك و اصابك قروح و جرب و علمت أن الغسل فی الحمام یزیل عنك ذلك کله أما ترید ان تدخله فتغسل فیزول ذلك عنك و ما تکره ان لا تدخله فیبقی ذلك علیك۔

اے اللہ کے بندے! تو موت سے اس لیے ڈر رہا ہے کہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے جب تیرا لباس میلا ہو جائے، تجھے اس کی کثافت ونجاست سے اذیت ہونے لگے، اس غلاظت کی وجہ سے تو زخمی اور خارش میں مبتلا ہو جائے اور تجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ حمام میں غسل کرنے سے ان تمام مصیبتوں سے تجھے نجات مل جائے گی تو کیا تو ایسے میں یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ حمام میں داخل ہو جائے اور غسل کرے اور کیا تو اس بات کو ناپسند نہیں کرے گا کہ حمام میں نہ جائے اور اس مصیبت میں بدستور گرفتار رہے۔

صحابی نے عرض کیا: ہاں اے فرزند رسول!

آپؑ نے فرمایا:

ذلك الموت هو ذلك الحمام و هو آخر ما بقی علیك من تمحیص ذنوبك و تنقیتك من سیئاتك فاذا انت وردت علیه و جاوزته فقد نجوت من کل غم و هم و

اذی و وصلت الی کل سرور و فرح۔
یہ موت وہی حمام ہے جو کچھ تمہارے گناہوں میں سے جو باقی رہ گئے ہیں، ان سے نجات اور بداعمالیوں سے رہائی کا یہی آخری وقت ہے۔ تم جب موت کے گھاٹ اترو گے اور اس کے پار ہو جاؤ گے تو ہر رنج و غم اور مصیبت سے چھٹکارہ پاؤ گے اور ہر مسرت، شادمانی اطمینان اور راحت تک پہنچ جاؤ گے۔
(یہ سنتا تھا کہ) صحابی کا سب خوف دور ہو گیا۔ اس کے اندر خوشی اور انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے موت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنی (موت کے) راستے پر چل پڑا۔
امام حسن عسکری علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ موت کیا ہے؟ فرمایا:
هو التصديق بما لا يكون
موت سے مراد ان چیزوں کی تصدیق ہے جو ابھی واقع نہیں ہوئیں۔
پھر فرمایا:
ان ابی حدثنی بذلك عن ابيه عن جدی عن الصادق[ع] انه قال ان المومن اذا مات لم يكن ميتاً و ان الكافر هو الميت لان الله عز و جل يقول يخرج الحی منی الميت و الميت من الحی۔
میرے والد گرامی نے اپنے اجداد کے سلسلۂ نسب سے حضرت امام صادق (علیہ السلام) سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو حقیقتاً وہ مردہ نہیں ہوتا اور کافر درحقیقت مردہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے یعنی مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے۔
امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کیا ہوا ہے کہ جو میں موت کو پسند نہیں کرتا؟ آپؑ نے فرمایا:

کیا تیرے پاس مال ہے؟

عرض کیا: ہاں۔

فرمایا: کیا تو نے اسے اپنے آگے بھیج دیا ہے۔

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: اسی لیے تو تم موت کو پسند نہیں کرتے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ ہم موت سے کیوں کراہت کرتے ہیں؟ فرمایا:

لانکم عمرتم الدنیا و خربتم الآخرة فتکرھون ان تنقلوا من عمران الی خراب ۔

اس لیے کہ تم نے اپنی دنیا کو تو آباد کیا ہے اور آخرت کو برباد کر رکھا ہے۔ لہٰذا آبادی کو چھوڑ کر بربادی کی طرف جانا تمھیں پسند نہیں۔

کسی اور شخص نے عرض کیا کہ آپ کے خیال میں اس وقت ہمارا کیا حال ہو گا، جب ہم خدا کے حضور حاضر کیے جائیں گے؟ آپؓ نے فرمایا:

اما المحسن فکالغائب یقدم علی اھله و اما المُسیء فکالآبق یقدم علی مولاہ ۔

پرہیزگار لوگ اس طرح حاضر ہوں گے جیسے کوئی مسافر خوش و خرم اپنے گھر والوں میں واپس آتا ہے۔ لیکن بدکار لوگ اس طرح حاضر کیے جائیں گے جس طرح بھاگا ہوا غلام اپنے مالک کے حضور خوف و ہراس کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔

عرض کیا گیا: آپؓ کے خیال میں اللہ کے حضور ہمارا کیا حال ہو گا؟

فرمایا:

اعرضوا اعمالکم علی کتاب اللّٰه حیث یقول اِنَّ الْاَبْرَارَ

لَفِىۡ نَعِيۡمٍ ۝ وَاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِىۡ جَحِيۡمٍ ۝

تم اپنے اعمال کو قرآن کے سامنے رکھو۔ خدا فرماتا ہے کہ اچھے لوگ اللہ کی نعمتوں میں پر مسرت زندگی گزاریں گے اور بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

کسی شخص نے عرض کیا: اللہ کی رحمت کہاں ہوگی؟

فرمایا:

ان رحمة الله قریب من المحسنین۔

کہ اللہ کی رحمت اس کے احسان کرنے والے بندوں کے قریب ہوگی۔

قبر میں سوال و جواب
کے بارے میں ہمارا عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں سوال کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے:

قبر میں سوال و جواب برحق ہے۔ جو شخص سوالات کا صحیح جواب دے گا وہ قبر میں راحت، خوشی اور خوشبو اور آخرت میں نعمتوں والی جنت پائے گا اور جو شخص صحیح جواب نہ دے پائے گا تو اس کی قبر میں آگ کا نزول ہوگا اور حشر کے دن اسے آتش جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

زیادہ تر عذاب قبر کا باعث چغل خوری، بدخلقی اور پیشاب کی نجاست کو خفیف سمجھنا ہے۔ مومن کے لیے قبر میں سخت سے سخت عذاب آنکھ پھڑکنے کے برابر یا پچھنے لگانے کی تکلیف کے برابر ہوگا اور یہ تکلیف اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہوگا جو دنیا کی تکلیفوں، مصیبتوں، بیماریوں یا جانکنی کی شدت جھیلنے کے بعد باقی رہ گئے تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد کے غسل میت سے خواتین فارغ ہو چکیں تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک سے انہیں کفن دیا اور ان کا جنازہ اپنے کاندھے پر اٹھایا، یہاں تک کہ قبر تک پہنچے اور خود قبر

میں داخل ہو کر لیٹے، پھر کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں پر جنازہ لیا اور قبر میں رکھا پھر جنازے کی طرف جھکے اور آہستہ آہستہ کچھ فرماتے رہے پھر دو مرتبہ فرمایا: ابنك ابنك تیرا فرزند، تیرا فرزند۔

پھر باہر تشریف لائے پھر قبر پر مٹی ڈال کر اسے ہموار کیا۔ پھر قبر کی طرف جھک گئے۔ لوگوں نے سنا کہ آپؐ بارگاہ خداوندی میں فرماتے ہیں:

لا اله الا الله اللهم انی استودعها اِیّاك۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! میں انہیں تیرے سپرد کرتا ہوں۔

پھر آپؐ واپس پلٹے۔ مسلمانوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! ہم نے اس سے قبل آپ کو ایسا کام کرتے نہیں دیکھا!!

آپؐ نے فرمایا:

الیوم فقدت برّ ابی طالب۔ انها کانت لیکون عندها الشیء فتوثرنی به علی نفسها و ولدها و انی ذکرت یوم القیامة یوماً و ان الناس بحشرون عراةً فقالت وا سواتاه فضمنت لها ان یبعثها الله کاسیةً و ذکرت ضغطة القبر فقالت وا ضعفاه فضمنت لها ان یکفیها اللّٰه ذلك فکفنتها بقمیصی و اضطجعت فی قبرها لذلك و انکبیت علیهافلقنتها و اضطجعت فی قبرها لذلك و انکبت علیها فلقنتها ما تسئل عنها و انها سئلت عن ربها فقالت الله ربی و سئلت عن نبیها فاجابت محمد نبی و سئلت عن ولیها و امامها فارتج علیها و توقفت فقلت لها ابنك ابنك ۔

آج مجھ سے میرے چچا ابو طالب کی نیکی کھو گئی ہے۔ جناب فاطمہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے پاس کوئی بھی چیز ہوتی تو وہ مجھے اپنی ذات اور اولاد پر ترجیح دیتی تھیں۔ میں نے ایک دن ان

کے حضور قیامت کا ذکر چھیڑتے ہوئے بیان کیا کہ لوگ روز قیامت برہنہ محشور ہوں گے تو حضرت فاطمہؑ نے گھبرا کر فرمایا: ہائے افسوس! تو میں نے ضمانت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں حالت لباس میں محشور فرمائے گا۔ اسی طرح ایک روز میں نے ان کے حضور فشار قبر کا ذکر کیا تو وہ پکار اٹھیں ہائے میری ضعیفی! تو میں نے ان کو ضمانت دی تھی کہ اللہ ان کو محفوظ رکھے گا، اس لیے آج میں نے اپنی قمیص کا ان کو کفن دیا اور ان کی قبر میں خود لیٹا اور ان کی میت کی طرف جھک کر ان کو وہ باتیں بتائیں جن کی بابت ان سے سوال جواب ہونا تھا۔ چنانچہ جب ان سے ان کے رب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور جب ان سے ان کے نبی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نبی ہیں، لیکن جب ان سے ان کے امام اور ولی کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ خاموش رہیں، میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا بیٹا، تمہارا امام ہے۔

اس پر انہوں نے کہا کہ میرا بیٹا، میرا امام ہے۔ اس کے بعد دونوں فرشتے یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے کہ تم پر ہمارا کوئی بس نہیں۔ اسی طرح سو جاؤ، جس طرح دلہن اپنے حجلے میں آرام سے سوتی ہے۔ پھر ان پر دوبارہ موت طاری ہوگئی۔

اس کی تصدیق قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ[1]

وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی دی ہے۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے؟

رجعت کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفر نے فرمایا: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رجعت کا ہونا برحق ہے۔ چنانچہ

---

[1] المومن: ١١

خدا نے اپنی کتاب عزیز میں (ان لوگوں کے بارے میں جن کی رجعت ہو چکی ہے) فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ...[1]

کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے تھے؟ اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ، پھر انہیں زندہ کر دیا....

وہ لوگ ستر ہزار گھروں کے باشندے تھے۔ ہر سال ان میں طاعون پڑا کرتا تھا۔ مالدار تو اپنی قوت (مالی) کی وجہ سے نکل جاتے اور غربا بوجہ اپنی کمزوری کے رہ جاتے تھے۔ پس جو لوگ نکل جاتے تھے، ان میں طاعون کم ہوتا تھا اور مقیم رہنے والوں میں بکثرت ہوتا تھا۔ مقیم رہنے والے کہتے تھے: کاش کہ ہم بھی نکل جاتے تو مرض طاعون سے مصیبت زدہ نہ ہوتے اور نکل جانے والے کہتے تھے: اگر ہم اقامت کرتے تو جس طرح ان پر مصیبت پڑی اسی طرح ہم پر بھی بلائے ناگہانی پڑتی۔ پس ان لوگوں نے اتفاق کرلیا کہ جب طاعون کا وقت آئے تو سب کے سب اپنے گھروں سے نکل پڑیں۔ الغرض تمام آدمی نکل کر دریا کے کنارے جا اترے۔ جب وہ لوگ اپنا سامان ٹھکانے پر لگا چکے، خدا نے انہیں آواز دی کہ تم سب مر جاؤ۔ پس وہ مر گئے۔ راہ گیروں نے ان کو راستے سے ہٹادیا۔ وہ لوگ اسی طرح جب تک خدا کو منظور تھا پڑے رہے۔ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبیؑ ان پر گزرے، جن کا نام ارمیا تھا۔ نبی نے عرض کیا:

خدایا! اگر تیری مشیت ہو تو ان کو زندہ کر دے تاکہ یہ لوگ تیرے شہروں کو آباد کریں۔

خدا نے ان کے پاس وحی بھیجی: کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے وسیلے سے میں انہیں زندہ کردوں (تو میں زندہ کردوں گا)؟

نبیؑ نے عرض کیا: ہاں میرے پروردگار!

الغرض خدا نے نبیؑ کے لیے ان کو زندگی بخشی اور ان سب کو حضرت کے

---

[1] ۲ البقرۃ: ۲۴۳

ساتھ بھیج دیا۔ الحاصل یہ لوگ مرے، پھر دنیا میں ان کی رجعت ہوئی۔ پھر وہ اپنی اجلوں پر مر گئے۔ خدا نے فرمایا:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [1]

یا اس شخص کی طرح جس کا ایک ایسی بستی سے گزر ہوا جو اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی؟ تو اس نے کہا: اللہ اس (اجڑی ہوئی آبادی) کو مرنے کے بعد کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا؟ پس اللہ نے سو برس تک اسے مردہ رکھا، پھر اس کو دوبارہ زندگی دی اور اس سے پوچھا: بتاؤ کتنی مدت (مردہ) رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک دن یا اس سے کم۔ اللہ نے فرمایا: نہیں بلکہ سو برس (مردہ) پڑے رہے ہو۔ ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو جو سڑی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی تو دیکھو، ہم نے یہ اس لیے کیا ہے تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں، پھر ان ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں، یوں جب اس پر حقیقت عیاں ہو گئی تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

پس یہ بزرگوار سو برس تک مردہ رہے، پھر اپنی اجل پر مرے اور یہ عزیر نبیؑ تھے اور بروایتے ارمیا تھے۔

ان لوگوں کے قصے میں جو بنی اسرائیل میں سے، جناب موسیٰ (ع) کی قوم کے،

---

[1] البقرۃ: ۲۵۹

میقات پروردگار کے لیے منتخب کیے گئے تھے، خدا نے فرمایا:

ثُمَّ بَعَثۡنٰکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ [1]

پھر تمہارے مرنے کے بعد ہم نے تمہیں اٹھایا کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔

واقعہ اس کا یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے کلام خدا سنا تو کہنے لگے: ہم تصدیق نہ کریں گے جب تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ ان کی اس کج بحثی اور زیادتی کی وجہ سے آسمانی بجلی نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

پس جناب موسیٰ (ع) نے عرض کیا:

اے میرے رب! جب میں بنی اسرائیل کے پاس پلٹ کر جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا۔

پس خدا نے ان سب کو زندہ کر دیا۔ دنیا میں ان کی رجعت ہوئی۔ انہوں نے کھایا، پیا، عورتوں سے نکاح کیے۔ بچے ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ بہت دنوں دنیا میں باقی رہے، پھر اپنی اجلوں پر مر گئے اور خدا نے فرمایا: اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو اس وقت کو جب تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ لہٰذا جن لوگوں کو حضرت عیسیٰ (ع) نے خدا کے حکم سے زندہ کیا، ان کی دنیا میں رجعت ہوئی۔ وہ لوگ باقی رہے، دنیا میں جب تک کہ وہ زندہ رہے۔ پھر اپنی اجلوں پر وہ مر گئے۔ اصحاب کہف تین سو نو برس غار میں پڑے رہے۔ پھر خدا نے انہیں اٹھایا۔ جب ہی تو دنیا میں ان کی رجعت ہوئی تا کہ وہ لوگ آپس میں سوال و جواب کریں۔ اصحاب کہف کا واقعہ مشہور ہے۔ پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ خدا فرماتا ہے: اے رسولؐ (اگر تم اصحاب کہف کو دیکھو تو) تم ان کے بارے میں گمان کرو گے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ تو سو رہے ہیں (پھر سونے والوں میں رجعت کیسی)؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: وہ لوگ مرے ہوئے تھے۔ خدا نے فرمایا:

---

[1] البقرۃ: ۵۶

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ [1]

کہیں گے: ہائے ہماری شامت! ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ یہ وہی بات ہے، جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔

اس کے مانند بکثرت آیات ہیں۔ پس صحیح طور سے ثابت ہوا کہ پچھلی امتوں میں رجعت ہوئی۔

چونکہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے:

یکون فی ھذہ الامۃ ما کان فی الامم السابقۃ حذو النعل بالنعل والقذۃ بالقذۃ فیجب علی ھذا الاصل ان یکون فی ھذہ الامۃ رجعۃ۔

جو واقعات گزشتہ امتوں میں ہوئے ہیں، وہ بالکل میری امت میں بھی ہوں گے، جیسے ایک نعل دوسری نعل کے اور ایک تیر کا پر دوسرے تیر کے پر کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کے بموجب اس امت میں رجعت کا ہونا لازم ہوا۔

ہمارے برادران اہل سنت نے روایت کی ہے:

انہ اذا خرج المھدی نزل عیسیٰ بن مریم من السماء فصلی خلفہ۔

جب امام مہدی ظہور فرمائیں گے تو اس وقت عیسیٰؑ بن مریم آسمان سے نازل ہوں گے اور ان حضرت کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کا زمین پر نزول اور دنیا میں ان کا رجوع ان کی موت کے بعد ہوگی۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ [2]

---

[1] یٰس: ۵۲ [2] آل عمران: ۵۵

جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ اب میں تمہاری مدت پوری کر رہا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

خدا نے فرمایا:

الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا [1]

اور زمین کو آپ صاف میدان دیکھیں گے اور سب کو ہم جمع کریں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا [2]

اور جس روز ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت کو جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتی تھیں۔

الغرض جس دن (قیامت) تمام آدمی محشور ہوں گے، وہ اور ہوگا اور جس دن گروہ گروہ محشور ہوگا (رجعت)، وہ اور ہوگا۔

خدا نے فرمایا:

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ [3]

اور یہ لوگ اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں: جو مر جاتا ہے اسے اللہ زندہ کر کے نہیں اٹھاتا، کیوں نہیں اٹھائے گا؟ یہ ایک ایسا برحق وعدہ ہے جو اللہ کے ذمے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس سے مراد رجعت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد خدا فرماتا ہے:

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ [4]

تاکہ اللہ ان کے لیے وہ بات واضح طور پر بیان کرے جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔

اس اختلاف کا ثمرہ دنیا ہی میں ظاہر ہوگا، نہ کہ آخرت میں۔ میں ایک رسالہ مستقل لکھوں گا جس میں رجعت کی کیفیت اور اس کے ہونے کی صحت پر دلیلیں درج

---

[1] الکہف:۴۷ [2] النمل:۸۳ [3] النحل:۳۸ [4] النحل:۳۹

کروں گا۔ انشاء اللہ۔

تناسخ کا عقیدہ باطل ہے اور جو شخص اس کا قائل ہے، وہ کافر ہے۔ کیونکہ تناسخ کے عقیدے کی بنا پر جنت و دوزخ کے عقیدے کا غلط ہونا اور ان کے وجود کا انکار لازم آتا ہے۔

مرنے کے بعد (روز حشر)
مبعوث ہونے کے متعلق عقیدہ

شیخ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں: ہمارا عقیدہ بعد موت (روز قیامت) زندہ ہونے کے متعلق یہ ہے کہ وہ برحق ہے۔ حضور سرور عالمؐ نے فرمایا:

یا بنی عبد المطلب ان الرائد لا یکذب اهله و الذی بعثنی بالحق نبیا لتموتن کما تنامون و لتبعثن کما تستیقظون و ما بعد الموت دار الا الجنة او نار و خلق جمیع الخلق بعثهم علی اللّٰه عز و جل کخلق نفس واحدة ذلك قوله تعالیٰ:

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ[1]

اے فرزندان عبدالمطلب! منزل کا پتہ دینے والا اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا۔ قسم ہے اس کی جس نے مجھے برحق نبی مبعوث کیا ہے، تم ضرور مروگے، جس طرح کہ تم سویا کرتے ہو اور تم سب ضرور بالضرور اٹھائے جاؤ گے، جس طرح کہ تم بیدار ہوا کرتے ہو۔ مرنے کے بعد کوئی گھر نہیں ہے، بس جنت ہے اور جہنم ہے۔ تمام خلقت کو پیدا کرنا اور ان سب کو (زندہ کر کے) اٹھانا خدا کے لیے ایسا ہے جیسا کہ آدمی کو پیدا کرنا۔ ثبوت اس کا، قول خدا ہے: اللہ کے لیے تم سب کا پیدا کرنا پھر دوبارہ اٹھانا ایک جان (کے پیدا کرنا پھر اٹھانے) کی طرح ہے۔

---

[1] لقمان: ۲۸

حوض کوثر کے متعلق عقیدہ

ابو جعفر (صدوق) فرماتے ہیں: ہمارا عقیدہ حوض کوثر کے بارے میں یہ ہے کہ وہ برحق ہے اور چوڑائی اس کی اتنی ہے جیسے ایلہ اور صنعاء کے مابین کا فاصلہ اور وہ حضور سرور عالم کا ہے اور اس پر آسمانی ستاروں کے برابر کوزے رکھے ہوئے ہیں۔ روز قیامت حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اس کے ساقی ہوں گے۔ وہ جنابؑ اس کا پانی اپنے دوستوں کو پلائیں گے اور اپنے دشمنوں کو اس کے پاس سے ہٹائیں گے۔ جو شخص اس کا ایک گھونٹ پانی پیے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا:

لیختلجن قوم من اصحابی دونی و انا علی الحوض فیوخذبهم ذات الشمال فانادی یا رب اصحابی اصحابی فیقال انك لا تدری ما احدثوا بعدك۔

میرے اصحاب کا ایک گروہ میرے پاس حوض کوثر پر آنے کی لیے مضطرب ہوگا۔ پس وہ لوگ بائیں جانب سے گرفتار کیے جائیں گے۔ پس میں آواز دوں گا: خدایا! یہ میرے اصحاب ہیں۔ جواب دیا جائے گا: تمہیں خبر نہیں ہے کہ تمہارے بعد ان لوگوں نے کیا کیا حادثے اور بدعات برپا کیے۔

شفاعت کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: شفاعت کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ (وہ برحق ہے) اور ہوگی، صرف ان لوگوں کی جن کے دین و مذہب کو خداوند عالم پسند فرمائے گا اور انہوں نے صغیرہ یا کبیرہ گناہ کیے ہوں گے۔ باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی ہوگی، وہ محتاج شفاعت نہیں ہوں گے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من لم یومن بشفاعتی فلا انا له الله شفاعتی۔

جو شخص میری شفاعت پر ایمان نہیں رکھتا، خدا اسے میری شفاعت نصیب نہ کرے۔

نیز فرمایا:

لا شفیع انجح من التوبة والشفاعة للانبیآء و الاوصیاء و المؤمنین والملائکة و فی المؤمنین من یشفع مثل ربیعة و مضر و اقل المؤمنین من یشفع لثلاثین الفاً والشفاعة لا تکون لاهل الشك و الشرك و لا لاهل الکفر و الجحود بل یکون للمؤمنین من اهل التوحید۔

حاجت روائی اور کامیابی کے لیے توبہ سے بڑھ کر کوئی شفیع نہیں ہے۔ شفاعت انبیا اور ان کے اوصیا کریں گے اور خالص اہل ایمان میں سے کچھ ایسے مؤمن بھی ہوں گے جو ربیعہ ومضر جیسے (کثیر تعداد) قبیلوں کی تعداد کے برابر گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ کم از کم شفاعت کرنے والا مؤمن بھی تیس ہزار انسانوں کی شفاعت کرے گا۔ دین میں شک اور شرک وکفر اور انکار کرنے والوں کی شفاعت نہیں ہوگی، بلکہ صرف گنہگار اہل توحید کی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: خدا کے وعدہ اور اس کی وعید کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ خداوند عالم نے جس شخص سے اس کے اعمال صالحہ کے عوض اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، وہ یقیناً اپنا وعدہ پورا کرے گا اور جس کو اس کے بد اعمال کے عوض عذاب وعقاب کی وعید وتہدید فرمائی ہے تو اس کے متعلق اس کو پورا پورا اختیار ہے، اگر اُسے معاف کردے تو یہ اس کا فضل وکرم ہے۔ تمہارا پروردگار اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ ارشاد قدرت ہے:

---

[1] جو کہ ینبوع اور مصر کے درمیان ایک شہر ہے۔ [2] یمن کا ایک شہر۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ [1]

اللہ اس بات کو یقیناً معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے بارے میں وہ چاہے گا معاف کر دے گا۔

بندوں کی کتابت اعمال کے متعلق عقیدہ

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر بندے کے ساتھ دو فرشتے خدا تعالیٰ کی طرف سے مؤکل و مقرر ہیں، جو اس کے تمام اعمال تحریر کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نیکی کرنے کا صرف ارادہ ہی کرلے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جب وہ اس نیکی کو بجا بھی لائے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ (مگر اس کے برعکس) جب کوئی شخص کسی بدکاری کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک وہ اسے انجام نہ دے، نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جاتا، بلکہ ارتکاب جرم کے بعد بھی اسے سات گھنٹوں تک مہلت دی جاتی ہے۔ پس اگر اس مدت کے اندر اندر توبہ کرے تو پھر بھی یہ برائی درج نہیں کی جاتی۔ ہاں! اس اثنا میں توبہ نہ کرے، تب صرف ایک گناہ درج کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں فرشتے بندے کا ہر فعل ضبط تحریر میں لے آتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر وہ راکھ میں پھونک ہی مارے تو وہ اسے بھی لکھ لیتے ہیں۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ○ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ [2]

جب کہ یقیناً تم پر نگران مقرر ہیں، ایسے معزز لکھنے والے جو تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت امیرالمومنینؑ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو لغو اور فضول باتیں کر رہا تھا۔ آنجنابؑ نے اس سے فرمایا:

یا ھذا الرجل انك تملی علی ملکیك کتاب الی ربك فتکلم بما یعنیك ودع ما لا یعنیك۔

اے شخص! تو اپنے محافظ فرشتوں سے ایک ایسا نامہ لکھوا رہا ہے جو تیرے پروردگار کے سامنے پیش ہونے والا ہے۔ اس لیے تو ایسی باتیں کر جو تیرے لیے مفید مطلب ہیں اور جو بے فائدہ باتیں ہیں ان سے پرہیز کر۔

پھر فرمایا:

علی الرجل المسلم یکتب محسنا مادام ساکنا فاذا تکلم کتب اما محسنا او مسیئا و موضع الملکین من ابن آدم الترقوان صاحب الیمین یکتب الحسنات و صاحب الشمال یکتب سیئات و ملکا النهار یکتبان عمل العبد فی النهار و ملکا اللیل یکتبان علی العبد فی اللیل۔

ایک مسلمان اس وقت تک برابر نیک لکھا جاتا ہے جب تک کہ کلام نہیں کرتا۔ ہاں! جب وہ سلسلہ کلام شروع کرتا ہے تو (اپنے کلام کے اعتبار سے) نیکو کار لکھا جاتا ہے یا بدکار۔ ان دونوں فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہنسلی والی دو ہڈیاں ہیں۔ دائیں طرف والا نیکیاں اور بائیں طرف والا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے۔ دن والے فرشتے بندے کے دن والے اعمال اور رات والے فرشتے اعمال شب لکھتے ہیں۔

عدل خداوندی کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابوجعفر (صدوق) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: خداوند عالم نے ہمیں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ خود ہمارے ساتھ وہ عمدہ سلوک کرتا ہے جو عدل سے بھی بڑھ کر ہے، جس کا نام تفضل ہے۔ اس امر کی دلیل یہ ہے کہ وہ خود فرماتا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ [1]

جو اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اسے دس گنا اجر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا اسے صرف اسی برائی جتنا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

عدل تو یہ تھا کہ ایک نیکی کے عوض ایک نیکی کا ثواب اور ایک بدی کے بدلہ ایک بدی کا عقاب کرتا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا یدخل رجل الجنة بعمله الا برحمة الله عز و جل

کوئی بھی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ رحمت خداوندی اس کے شامل حال نہ ہو۔

اعراف کے متعلق عقیدہ

حضرت شیخ صدوق ابن بابوؒیہ فرماتے ہیں: اعراف کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ جنت کے اور جہنم کے درمیان ایک دیوار ہے، جس پر چند مقدس بزرگوار تشریف فرما ہوں گے، جو ہر شخص کو اس کی نشانیوں سے پہچان لیں گے اور یہ حضرات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اوصیا برحق ہوں گے۔ جنت میں وہی شخص داخل ہوگا جسے یہ بزرگوار پہچانتے ہوں گے اور وہ انہیں پہچانتا ہوگا اور جہنم میں وہی لوگ جائیں گے جو ان کی معرفت نہیں رکھتے ہوں گے اور نہ یہ بزرگوار ان سے واقف ہوں گے۔ مقام اعراف میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو امر الٰہی کے منتظر ہوں گے کہ کیا خدا انہیں عذاب میں گرفتار کرتا ہے (اور داخل دوزخ کرتا ہے) یا ان پر مہربانی فرماتا ہے (اور جنت میں داخل فرماتا ہے۔)

صراط کے متعلق عقیدہ

حضرت شیخ ابوجعفر (صدوق) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: صراط کے متعلق ہمارا عقیدہ

۱۔ الانعام: ۱۶۱

یہ ہے کہ وہ حق ہے اور یہ کہ وہ جہنم کے اوپر (اسے عبور کرنے کے لیے) ایک پل ہے جو تمام مخلوق خدا کی گزرگاہ ہے۔ چنانچہ خداوند عالم اس سلسلے میں فرماتا ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا [1]

اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ حتمی فیصلہ آپ کے رب کے ذمے ہے۔

صراط ایک دوسرے معنی کے اعتبار سے حجت ہائے خداوندی کا نام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں ان کی معرفت حاصل کرے گا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا خداوند عالم قیامت اور حسرت و ندامت کے روز اس شخص کو اس صراط سے جو جہنم کا پل ہے، گزرنے کا پروانہ اور راہداری مرحمت فرمائے گا۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یا علی اذا کان یوم القیامۃ اقعدانا و انت و جبرئیل علی الصراط فلا یجوز علی الصراط الامن کانت معہ برائۃ بولایتك۔

اے علیؑ! قیامت کے روز میں، تم اور جبرائیل پل صراط پر بیٹھیں گے۔ پس وہاں سے وہی شخص گزر سکے گا جس کے پاس تمہاری ولایت ومحبت کی سند ہوگی۔

قیامت کی گھاٹیوں (عقبات) کے متعلق عقیدہ

شیخ ابوجعفر (صدوق) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ان گھاٹیوں کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔ کسی کو فرض کہتے ہیں، کسی کو امر اور کسی کو نہی کہا جاتا ہے۔ جب آدمی فرض کی گھاٹی کے پاس پہنچے گا تو اگر اس نے اس فرض کی ادائیگی میں کچھ کوتاہی کی ہوگی تو اسے وہاں روک کر اس سے خدا کے حق کا سوال کیا جائے گا۔ پس اگر کسی نیک عمل یا رحمت الٰہی کی وجہ سے اس مشکل مرحلہ سے نکل گیا اور

---

[1] مریم: ۷۱

وہاں سے نجات حاصل کر لی تو پھر دوسرے عقبہ کے پاس پہنچ جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص برابر ہر ایک گھاٹی کے پاس روکا جائے گا اور جس جس امر یا نہی کے متعلق وہ گھاٹی ہوگی اس کے بارے میں کوتاہی اور غفلت کا سوال کیا جاتا رہے گا۔ اس طرح اگر وہ ان تمام عقبات سے صحت و سلامتی کے ساتھ گزر گیا تو پھر وہ ایسے مقام پر پہنچ جائے گا جہاں اسے ایسی حیات جاوِدانی نصیب ہوگی جہاں کبھی نہیں مرے گا۔ اسے ایسی سعادت ابدی حاصل ہوگی کہ اس میں کوئی شقاوت اور بدبختی نہیں ہوگی۔ خدا کے جوار رحمت میں نبیوں، وصیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک بندوں کے ہمراہ قیام پذیر ہوگا اور اگر اسے کسی ایسے عقبہ کے پاس روکا گیا جس میں اس نے کوتاہی کی ہوگی اور اس سے اس حق کا مطالبہ کیا گیا اور عمل صالح اسے نجات نہ دے سکا اور نہ ہی رحمت خداوندی اس کے شامل حال ہوئی تو اس کا قدم اس گھاٹی سے پھسل جائے گا اور آتش جہنم میں گر پڑے گا اور آتش جہنم سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور یہ عقبات تمام کے تمام پل صراط پر ہیں۔ انہی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی کا نام ولایت ہے۔ اس کے پاس تمام مخلوقات کو ٹھہرایا جائے گا اور ان سے حضرت امیر المؤمنینؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کی ولایت کی بابت سوال کیا جائے گا۔ جس شخص نے درست جواب دے دیا وہ اس گھاٹی سے صحیح و سالم گزر جائے گا اور جو صحیح جواب نہ دے سکے گا وہ وہیں رہ جائے گا اور آتش جہنم میں گر جائے گا۔ اس بات کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ [1]

انہیں روکو، ان سے پوچھا جائے گا۔

ان عقبات میں سے ایک عقبہ کا نام مرصاد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ [2]

یقیناً آپ کا رب تاک میں ہے۔

خداوند عالم (حدیث قدسی میں) ارشاد فرماتا ہے:

بعزتی و جلالی لا یحوز بی ظلم ظالم۔

مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم کسی ظالم کا ظلم مجھ سے چھوٹ نہ سکے گا۔

---

[1] الصافات: ۲۴ [2] الفجر: ۱۴

ان عقبوں میں سے ایک کا نام رحم، ایک کا نام امانت اور ایک کا نام نماز ہے۔ ہر ایک فرض، ہر ایک امر اور ہر ایک نبی کے لئے علیحدہ علیحدہ عقبہ ہے۔ جن کے پاس ہر ایک آدمی کو لا کر روکا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا۔

حساب و میزان کے متعلق عقیدہ

حضرت شیخ ابو جعفر (صدوق) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس سلسلے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ روز محشر حساب کتاب ہونا برحق ہے۔ بعض لوگوں کا حساب براہ راست خداوند عالم لے گا اور بعض کا حساب حجہائے خدا لیں گے (اس کی تفصیل اس طرح ہے) کہ انبیاء اور ائمہ (ع) کے حساب کا متولی خود خدا تعالیٰ ہوگا۔ ہر نبی اپنے اپنے اوصیاء کا حساب لے گا اور امتوں کا حساب انبیاء (ع) کے اوصیاء لیں گے۔ خداوند عالم اپنے انبیاء و رسل (ع) پر گواہ ہوگا۔ انبیاء و رسل اپنے اوصیاء کے گواہ ہوں گے۔ ائمہ اطہار (ع) باقی تمام لوگوں پر گواہ ہوں گے۔ اسی سلسلے میں خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا [1]

اس دن کیا حال ہوگا جب ہم امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے محمدؐ) آپ کو لوگوں پر بطور گواہ پیش کریں گے۔

نیز خداوند عالم ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِنْهُ .... [2]

بھلا وہ شخص (افترا کر سکتا ہے) جو اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہو اور اس کے پیچھے اس کے رب کی طرف سے ایک شاہد بھی آیا ہو۔

اس آیت میں شاہد (گواہ) سے مراد حضرت امیر المؤمنینؑ ہیں۔ ایک اور

---

1 النساء: ۴۱   2 ھود: ۱۷

مقام پر فرماتا ہے:

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۙ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ [1]

انہیں یقیناً ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر ان کا حساب لینا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔

خداوند عالم کے اس ارشاد:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا [2]

اور ہم قیامت کے دن عدل کے ترازو قائم کریں گے پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

کے متعلق حضرت امام جعفر صادق (ع) سے دریافت کیا گیا کہ اس جگہ میزانوں سے کیا مراد ہے؟ آپ (ع) نے فرمایا:

الموازين الانبياء و الاوصياء۔

میزانوں سے مراد انبیا و اوصیا ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بغیر کسی حساب و کتاب کے داخل جنت ہوں گے۔ البتہ (دین کے بارے میں) سوال ہر شخص سے کیا جائے گا۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ [3]

پھر اس روز ... پس جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ہر صورت میں ان سے سوال کریں گے اور خود پیغمبروں سے بھی ہم ضرور پوچھیں گے۔

لیکن گناہوں کا سوال صرف انہی لوگوں سے کیا جائے گا جن کا حساب لیا جائے گا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ... [4]

پھر اس روز کسی انسان سے اور کسی جن سے اس کے گناہ کے بارے

---

[1] الغاشیۃ: ۲۵۔ ۲۶ [2] الانبیاء: ۴۷ [3] الاعراف: ۶ [4] الرحمن: ۳۹

بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

یعنی ان لوگوں سے گناہ کا سوال نہ ہو گا جو حضرت رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے فرماں بردار ہیں۔[1] لیکن ان کے سوا دوسرے لوگوں کی یہ کیفیت نہ ہوگی اور ہر شخص کو جس کا کہ حساب ہو گا، عذاب کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ عذاب عرصۂ محشر میں زیادہ دیر ٹھہرنے کے ذریعے سے ہی ہو۔ کوئی شخص اپنے اعمال کی بنا پر عذاب دوزخ سے نجات حاصل نہ کر سکے گا اور نہ ہی جنت میں داخل ہو سکے گا، جب تک کہ رحمت خداوندی اس کے شامل حال نہ ہوگی۔ خداوند عالم اپنے تمام اولین و آخرین بندوں سے ان کے اعمال کے بارے میں ایک ہی خطاب کے ذریعے ان کا اجمالی طور پر حساب لے لے گا۔ اس خطاب سے ہر شخص اپنا ذاتی معاملہ اچھی طرح سمجھ لے گا کہ (مجھ سے فلاں عمل کے بارے میں پوچھا گیا ہے) اور اسے یہی گمان ہو گا کہ یہ خطاب کسی اور سے نہیں ہے، بلکہ مجھ سے ہی ہے۔ خداوند کریم کو ایک شخص سے خطاب کرنا، دوسرے کے ساتھ خطاب کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ خلاق عالم اپنی اوّلین و آخرین سب مخلوق کے حساب سے دنیاوی ساعات کے اعتبار سے آدھ گھنٹے میں فارغ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کا اعمال نامہ اس کے سامنے پیش کرے گا، جس کو وہ کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں اپنے سامنے دیکھ لے گا۔ وہ کتاب ہر انسان کو اس کی کارروائیوں سے آگاہ کر دے گی اور وہ کتاب اس کے تمام چھوٹے اور بڑے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہوگی۔ اس طرح خداوند عالم ہر شخص کو خود اپنا محاسب اور حاکم قرار دے گا۔ اس سے کہا جائے گا: کہ تو اپنے اعمال نامے کو پڑھ۔ آج کے دن تو اپنا حساب لینے کے لیے خود ہی کافی ہے۔ خداوند عالم ایک گروہ کے منہ پر مہر لگا دے گا۔ ان کے ہاتھ پاؤں بلکہ تمام اعضا ان کے اعمال پر، جنہیں وہ لوگ چھپا کر کیا کرتے تھے، گواہی دیں گے۔ وہ لوگ اپنے اعضا سے کہیں گے تم نے کیوں ہمارے خلاف شہادت دی ہے؟ اعضا کہیں گے ہمیں اسی خدا نے بولنے کی طاقت دی ہے جس نے ہر چیز کو قوت گویائی بخشی ہے۔ اسی نے

---

[1] امام رضا علیہ السلام نے اپنے احباب سے فرمایا: روز قیامت تم لوگوں سے گناہوں کا سوال نہ کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی برحق مومن گناہ کا مرتکب ہوا اور بغیر توبہ کیے مر گیا تو برزخ میں اس پر عذاب ہوگا، پھر روز قیامت ایسے حال میں اسے زندہ کیا جائے گا کہ اس کے ذمے کوئی گناہ نہ ہوگا کہ جس کا سوال اس سے کیا جائے۔ (مجمع البیان)

تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔ اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی۔ تم اپنے اعمال چھپا کر اس وجہ سے نہ کرتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی، بلکہ تمہارا تو گمان یہ تھا کہ جو کچھ تم کرتے ہو، خدا کو ان میں سے اکثر کی خبر نہیں ہوتی۔

انشاء اللہ، عنقریب حقیقۃ المعاد کے نام سے ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں جس میں حساب و کتاب کی کیفیت علیحدہ لکھوں گا۔

جنت اور دوزخ کے متعلق عقیدہ

حضرت شیخ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں: بہشت کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ بقا اور سلامتی کا گھر ہے۔ اس میں نہ موت ہوگی اور نہ بڑھاپا۔ کسی قسم کی بیماری لاحق ہوگی اور نہ کوئی آفت ہوگی۔ نہ زوال (نعمت) ہوگا، نہ کوئی اپاہج ہوگا۔ وہاں کسی طرح کا رنج و غم ہوگا اور نہ ہی وہاں مفلسی اور محتاجی ہوگی، بلکہ وہ تو غنا و تونگری، سعادت و نیک بختی اور دائمی قیام و کرامت کا محل و مکان ہے۔ اس میں رہنے والوں کو نہ کسی قسم کی کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی ان کو کوئی تھکاوٹ لاحق ہوگی۔ اس میں اہل جنت کے لیے وہ سب کچھ مہیا ہوگا، جس کی ان کے نفس خواہش کریں گے اور جس سے آنکھیں لذت اندوز ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ بہشت ایسا مقام ہے جس میں رہنے والے خدا کے جوار رحمت میں ہوں گے۔ اس کے دوست اور کرامتوں کے مالک ہوں گے۔ مراتب کے لحاظ سے بھی وہ جنتی مختلف ہوں گے۔ ان میں سے بعض تو فرشتوں کی طرح خدا کی تقدیس و تسبیح اور تکبیر وغیرہ میں ان کے ہمراہ متنعم ہوں گے۔ بعض مختلف کھانے پینے کی چیزوں اور رنگ برنگے میوؤں، عمدہ، سیاہ اور کشادہ چشم والی عورتوں، ہمیشہ جوان رہنے والے خدمت گزار لڑکوں، تکیوں اور کرسیوں پر بیٹھنے اور ریشم و دیبا کے کپڑے زیب تن کرنے سے لطف اندوز اور بہرہ مند ہوں گے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس کی خواہش و طلب کے مطابق خدا کے حضور سے ہر ایک چیز عطا کی جائے گی۔ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان الناس یعبدون اللہ علی ثلاثۃ اصناف: فصنف منهم

يعبدون شوقا الى جنة و رجا ثوابه فتلك عبادة الخدام، و صنف منهم يعبدونه خوفا من ناره فتلك عبادة العبيد، و صنف منهم يعبدونه حباله فتلك عبادة الكرام و هم الامناء، و ذلك قوله عز و جل :

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ[1]

خدا کی عبادت کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں، ایک گروہ تو وہ ہے جو جنت کے شوق اور اس کے ثواب کی امید میں خدا کی عبادت کرتا ہے، اس گروہ کی عبادت خادموں اور نوکروں کی سی ہے۔ دوسرا گروہ آتش دوزخ اور عذاب الٰہی کے خوف سے خدا کی بندگی کرتا ہے۔ یہ عبادت غلاموں کی سی ہے۔ تیسرا گروہ محبت الٰہی سے سرشار ہو کر اس کی عبادت کرتا ہے۔ یہ کریم لوگوں والی عبادت ہے اور یہی گروہ امن و امان پانے والا ہے۔

جیسا کہ خدا فرماتا ہے: اور وہ اس دن کی ہولناکیوں سے امن میں ہوں گے۔

دوزخ کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ ذلت و رسوائی اور کافر و گنہگاروں سے بدلہ و انتقام لینے کا مقام ہے۔ اس میں ہمیشہ صرف وہی لوگ رہیں گے جو کافر و مشرک ہوں گے۔ لیکن اہل توحید میں سے گنہگار بندے خدا کی رحمت اور (نبیؐ کی) شفاعت کے ذریعے جو انہیں نصیب ہوگی، جہنم سے نکالے جائیں گے۔ مروی ہے کہ اہل توحید میں سے جو لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ اس سے نکلتے وقت انہیں اذیت و تکلیف ہوگی۔ یہ تکلیفیں ان کے خود کردہ اعمال بد کا بدلہ ہو جائیں گی۔ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

درحقیقت اہل جہنم ہی محتاج و مسکین ہیں۔ نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ہی ان کے عذاب میں کچھ کمی کی جائی گی اور نہ وہ دوزخ میں عمدہ پانی اور ٹھنڈک کا ذائقہ چکھیں گے، بلکہ اس کے عوض انہیں کھولتا ہوا پانی اور بہتی ہوئی پیپ

---

[1] النمل:۸۹

ان کے اعمال بد کے بدلے میں دی جائے گی۔ اگر وہ کھانا طلب کریں گے تو زقوم (تھوہر) انہیں کھانے کے لیے دیا جائے گا اور اگر انہوں نے داد و فریاد کی تو ان کی فریاد رسی اس طرح کی جائے گی کہ انہیں ایسا پانی پلایا جائے گا، جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا کر بھون دے گا۔ وہ کیسا برا پانی اور جہنم کیسا برا ٹھکانا ہے۔ اہل جہنم دور سے پکاریں گے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ [1]

اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال، اگر ہم دوبارہ وہی اعمال کریں تو بے شک ہم ظالم وستم گار ہوں گے۔

کافی مدت تک انہیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا:

اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ [2]

تم اسی آگ میں ذلیل ورسوا ہو کر رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

پھر وہ باآواز بلند کہیں گے:

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ [3]

اے مالک! (داروغۂ جہنم) تمہارے پروردگار کو چاہیے کہ وہ ہمیں موت ہی دے دے تاکہ ہم مر جائیں۔

مالک انہیں جواب دے گا:

قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

تم یہاں ہی اسی حالت میں رہو گے۔

اسانید صحیحہ سے منقول ہے کہ خداوند عالم بعض لوگوں کو جہنم میں داخل کرنے کا حکم دینے کے بعد داروغۂ جہنم سے فرمائے گا:

جہنم سے کہو کہ وہ ان کے قدموں کو نہ جلائے کیونکہ وہ مسجد میں ان سے چل کر جاتے تھے، ان کے ہاتھوں کو نہ جلائے کہ وہ ان کو دعا کے لیے میری بارگاہ میں بلند کیا کرتے تھے۔ ان کی زبانوں کو

---

[1] المومنون: ۱۰۷ [2] المومنون: ۱۰۸ [3] و [4] الزخرف: ۷۷

بھی نہ جلائے کہ وہ ان کے ذریعے بکثرت تلاوت قرآن کیا
کرتے تھے اور ان کے چہروں کو بھی نہ جلائے کیونکہ یہ مکمل طور
پر وضو کیا کرتے تھے۔
داروغۂ جہنم ان سے کہے گا: اے بدبختو! تمہاری کیا کیفیت تھی؟
وہ جواب میں کہیں گے: ہم یہ سب اعمال غیر خدا کی خوشنودی کے لیے
بجالاتے تھے۔
پس ان سے کہا جائے گا: جس کے لیے تم یہ اعمال بجالایا کرتے تھے، اب
ان کا بدلہ اور ثواب اسی سے حاصل کرو۔
نیز جنت اور دوزخ کے بارے میں ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ پیدا ہو چکی ہیں۔
شب معراج کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت تشریف لے گئے اور دوزخ کا بھی
مشاہدہ فرمایا تھا۔
ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی شخص دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا جب تک جنت
یا دوزخ میں اپنا مکان دیکھ نہیں لیتا۔ مؤمن اس وقت تک دنیا سے نہیں جاتا جب تک
دنیا کو بہترین منظر میں اس کے سامنے پیش نہ کیا جائے اور اسی حالت میں جنت میں
اپنا مکان دیکھتا ہے، پھر اسے دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ جسے
چاہے اختیار کرے۔ چنانچہ مؤمن آخرت کو ہی اختیار کرتا ہے۔ اس وقت اس کی روح
قبض کرلی جاتی ہے (عربی زبان کا) عام محاورہ ہے کہ جب کوئی شخص مر رہا ہوتا ہے تو
وہ کہتے ہیں: فلان یحود بنفسہ یہ اپنی جان کی سخاوت کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
وہ اپنی خوشی سے موت قبول کر رہا ہے۔ کیونکہ کوئی انسان جب کسی چیز کی سخاوت کرتا
ہے تو جبراً یا قہراً ناپسندیدہ صورت میں نہیں کرتا بلکہ طیب نفس کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔
جس جنت میں حضرت آدمؑ رہائش پذیر تھے، وہ دنیا کے باغوں میں سے ایک
باغ تھا۔ (جنت کے لغوی معنی باغ کے ہیں) جس میں سورج طلوع کرتا ہے اور غروب
بھی۔ وہ جنت الخلد یعنی بقائے دوام والی جنت نہ تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت آدمؑ
اس سے ہرگز نہ نکلتے۔
ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بہشت والے، ثواب پانے کی غرض سے ہمیشہ بہشت

میں رہیں گے اور اہل دوزخ بوجہ عذاب ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جو شخص بھی جنت میں داخل ہو گا پہلے اس کا دوزخ والا مکان اس کے سامنے پیش کر کے اس سے کہا جائے گا: اگر تو خدا کی نافرمانی کرتا تو اس مکان میں تیری رہائش ہوتی اور جسے جہنم میں داخل کیا جائے گا اسے پہلے جنت والا مکان دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر تو خدا کی اطاعت کرتا تو تجھے یہ مکان نصیب ہوتا۔ الغرض خدا کے نیک اور اطاعت گزار بندوں کو ان نافرمانوں کے جنتی مکانوں کا وارث بنا دیا جائے گا۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ [1]

یہی لوگ وارث ہوں گے جو جنت الفردوس کی میراث پائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سب سے کم درجے کا مومن جنت میں وہ شخص ہو گا جس کے لیے وہاں اس دنیا کی نعمتوں سے دس گنا زیادہ نعمتیں میسر ہوں گی۔

نزول وحی کی کیفیت کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفرؒ (صدوق) فرماتے ہیں: ہمارا اعتقاد اس سلسلے میں یہ ہے کہ جناب اسرافیلؑ کی دونوں آنکھوں کے سامنے ایک تختی ہے۔ خداوند عالم جب کسی امر کے متعلق وحـــی کے ذریعہ سے کلام کرنا چاہتا ہے تو وہ تختی اسرافیل کی پیشانی پر لگتی ہے۔ جناب اسرافیل اس پر نگاہ کرتے ہیں اور جو کچھ اس پر لکھا ہوتا ہے، اسے پڑھ کر جناب میکائیلؑ تک پہنچا دیتے ہیں۔ میکائیلؑ اس کی اطلاع حضرت جبرائیلؑ کو دے دیتے ہیں اور جبرائیل امینؑ اس وحی خداوندی کو انبیا علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی کی جو کیفیت طاری ہو جاتی تھی تو یہ خداوند عالم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمانے (نہ کہ جناب جبرئیلؑ کی آمد) کی وجہ سے

---

[1] المومنون: ۱۰ ـ ۱۱

گراں ہو جاتا اور آپ پسینہ سے شرابور ہو جاتے تھے۔ جناب جبرئیل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس حد تک احترام کرتے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بغیر اجازت حاضر نہ ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں غلاموں کی طرح بیٹھا کرتے تھے۔

لیلۃ القدر میں
نزول قرآن کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفرؒ (صدوق) فرماتے ہیں: ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی لیلۃ القدر میں پورا قرآن مجید بیت المعمور میں یک دفعہ نازل ہوا۔ پھر برابر بیس سال کی مدت دراز میں (تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ خداوند عالم نے اپنے نبی کو قرآن کا پورا علم اجمالی عطا فرما دیا تھا۔ اس لیے فرمایا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا[1]

اور آپ پر ہونے والی اس کی وحی کی تکمیل سے پہلے قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں اور کہدیا کریں: پروردگارا! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور ارشاد فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝[2]

(اے نبیؐ) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو پھر آپ (بھی) اسی طرح پڑھا کریں۔ پھر اس کی وضاحت ہمارے ذمے ہے۔

---

[1] طٰہٰ: ۱۱۴ [2] القیامۃ: ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹

قرآن کریم کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق) علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اس کی وحی اسی کی طرف سے نازل شدہ، اسی کا قول اور اسی کی (سچی) کتاب ہے۔ باطل اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ صاحب حکمت وعلم، خدا کی بارگاہ سے نازل ہوا ہے۔ اس کے تمام قصے برحق ہیں۔ یہ قول فیصل ہے۔ بیکار افسانہ نہیں ہے۔ خدا ہی اس کا نازل کرنے والا، ایجاد کرنے والا، نگرانی کرنے والا، حفاظت کرنے والا ہے اور وہی اس کے ساتھ کلام کرنے والا ہے۔

قرآن کی مقدار کے متعلق عقیدہ

حضرت شیخ ابو جعفر ابن بابوؒ (صدوق) فرماتے ہیں: مقدار قرآن کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا، یہی ہے جو دو دفتوں (جلدوں) کے درمیان لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت موجود ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے۔

عامہ کے نزدیک اس کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں، لیکن ہمارے نزدیک سورۃ الضحیٰ اور الم نشرح ایک سورہ ہے۔ اسی طرح سورۃ لایلاف اور الم ترکیف بھی ایک ہی سورۃ ہے (اس طرح مجموعاً ایک سو بارہ سورتیں ہوں گی) جو شخص ہماری طرف یہ امر منسوب کرے کہ ہم موجودہ قرآن سے زائد قرآن کے قائل ہیں تو وہ جھوٹا ہے۔ ہماری وہ روایت جو قرآن کے ایک سورہ پڑھنے اور پورا قرآن ختم کرنے کے ثواب (نماز نافلہ کی) ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنے کے جواز اور نماز فریضہ کی ایک رکعت میں دو سورتوں کی تلاوت کے ممنوع ہونے کے متعلق وارد ہوئی ہے، اس سے ہمارے نظریے کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہم قرآن کی اتنی ہی مقدار کے قائل ہیں جتنی کہ لوگوں کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں جو وارد ہے کہ ایک رات میں قرآن کو ختم نہ کیا جائے اور یہ کہ تین دن سے کم عرصے میں قرآن مجید کا ختم کرنا جائز نہیں ہے، اس سے بھی ہمارے نظریے کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہاں! ہم البتہ اس بات

کے قائل ہیں کہ قرآن کے علاوہ اس قدر وحی نازل ہوئی ہے کہ اگر اسے بھی قرآن کے ساتھ جمع کر لیا جائے تو اس مجموعہ کی تعداد سترہ ہزار آیات تک پہنچ جائے گی جیسا کہ حضرت جبرائیل کا پیغمبر اسلامؐ سے یہ کہنا کہ خداوند عالم آپؐ سے فرماتا ہے:

یا محمد دار خلقی مثل ما اداری۔

اے محمدؐ! تم میری مخلوق سے اس طرح لطف و مدارات سے پیش آؤ جس طرح کہ میں ان سے مدارات کرتا ہوں۔

یا (جیسے جبرائیلؑ کے توسط سے) فرمایا:

اتق شحناً الناس و عداوتهم۔

تم لوگوں کی عداوت اور ان کے حقد و کینہ سے ڈرتے رہو۔

یا یہ فرمایا:

عش ما شئت فانك ميت و احب ما شئت فانك مفارقة و اعمل ماشئت فانك ملاقيه۔

جب تک چاہو زندہ رہو، آخر مرنا ضرور ہے اور جس چیز کو چاہو پسند کرو، آخر اس سے جدا ہونا ہے اور جو عمل چاہو کرو، اس کا نتیجہ وثمرہ پاؤ گے۔

یا جیسے یہ ارشاد:

شرف المؤمن صلاته بالليل و عزته كف الاذى من الناس

نماز شب پڑھنا مومن کے لیے باعث مجد وشرف ہے اور لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا اس کی عزت وعظمت کا سبب ہے۔

یا جیسے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد:

ما زال جبرئيل يوصيني بالسواك حتى خفت ان احفى او ادردو ما زال يوصيني بالجار حتى ظننت انه سيورثه و ما زال يوصيني بالمرأة حتى ظننت انه لا ينبغي طلاقها و ما زال يوصيني بالمملوك حتى ظننت انه سيضرب له اجلا يعتق فيه.

جبرائیل ہمیشہ مجھے مسواک کرنے کی وصیت کرتے رہے، حتیٰ کہ مجھے یہ خوف دامن گیر ہوگیا کہ کہیں میرے دانت گر نہ جائیں۔ اس طرح جبرائیلؑ برابر مجھے پڑوسیوں کے بارے میں وصیت کرتے رہے، حتی کہ مجھے گمان ہوا کہ ان کو شریک وارث ہی نہ قرار دے دیں۔ جبرائیل ہمیشہ عورت کے متعلق مجھے اس قدر وصیت کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ عورت کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔ اسی طرح ہمیشہ غلام کے متعلق مجھے وصیت کرتے رہے، یہاں تک مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کے آزاد ہونے کی مدت مقرر ہو جائے گی، جس کے بعد وہ خود بخود آزاد ہوجائے گا۔

یا جیسے یہ کہ جب آنحضرتؐ غزوۂ خندق سے فارغ ہو چکے تو اس وقت جبرائیلؑ نے آنجناب کی خدمت میں عرض کیا:

یا محمد صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم ان اللّٰہ تبارك و تعالی یامرك ان لا تصلی العصر الا ببنی قریظة۔

یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدائے تبارک وتعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ عصر کی نماز قبیلہ بنی قریظہ میں پڑھیں۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

امرنی ربی بمداراة الناس کما امرنی باداء الفرائض۔

خدا نے مجھے انسانوں کے ساتھ لطف و مدارت کرنے کا اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح فرائض کی ادائیگی کا۔

یا جیسے آپ کا یہ فرمان ہے:

انا معاشر الانبیاء امرنا ان لا نکلم الناس الا بقدر عقولهم۔

ہم گروہ انبیا کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی عقل اور فہم کے مطابق کلام کیا کریں۔

یا جیسے آپ کا یہ ارشاد:

ان جبرائیل اتانی من قبل ربی بامر قرت به عینی و فرح به صدری و قلبی قال: ان الله عز و جل یقول: ان علیا امیر المؤمنین و قائد الغر المحجلین۔

ایک دفعہ جبرائیلؑ خدا کی طرف سے ایسی وحی لے کر میرے پاس آئے کہ جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور دل خوش و خرم ہوگیا۔ (وہ وحی یہ تھی کہ) حضرت علی ابن ابی طالبؑ مؤمنوں کے امیر اور سب سرداروں کے قائد و سردار ہیں۔

اور جیسے آپ کا یہ فرمان:

نزل علی جبرائیل فقال: یا محمد ان الله تبارك و تعالیٰ زوج فاطمة علیاً من فوق عرشه و اشهد علی ذلك خیار ملائکته، فزوجها منه فی الارض و اشهد علی ذلك خیار امتك۔

میرے پاس جبرائیلؑ آئے اور کہا: اے محمدؐ! خداوند عالم نے عرش پر جناب فاطمہ (س) کی تزویج حضرت علیؑ سے کر دی ہے اور اس پر اپنے بہترین ملائکہ کو گواہ مقرر کیا ہے۔ لہٰذا آپ بھی زمین پر ان کا نکاح کر دیں اور امت کے بہترین لوگوں کو گواہ بنائیں۔

اس قسم کی اور بہت سی احادیث ہیں جو تمام کی تمام وحی خداوندی ہیں، لیکن انہیں قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اگر وہ قرآن کا حصہ ہوتیں تو اس سے علیحدہ نہ ہوتیں۔ چنانچہ جب حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام قرآن جمع کر چکے تو اسے لوگوں کے پاس لا کر فرمایا:

هذا کتاب الله ربکم کما انزل علی نبیکم لم یزد فیه حرف، و لم ینقص منه حرف،

اے لوگو! یہ تمہارے پروردگار کی کتاب ہے۔ یہ اسی طرح ہے

جس طرح کہ تمہارے پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تھی۔ اس میں نہ کوئی حرف زیادہ ہوا ہے اور نہ کسی حرف کی کمی واقع ہوئی ہے۔

ان لوگوں نے جواب دیا:

لا حاجة لنا فيه، عندنا مثل الذی عبدك۔

ہمیں اس قرآن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس ایسا ہی قرآن موجود ہے، جیسا کہ آپؐ کے پاس ہے۔

حضرتؑ یہ فرماتے ہوئے واپس تشریف لے گئے:

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ○[1]

لیکن انہوں نے یہ عہد پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا، پس ان کا یہ بیچنا کتنا برا معاملہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

القرآن واحد نزل من عند واحد علی نبی واحد، و انما الاختلاف من جهة الرواة۔

قرآن ایک ہے۔ ایک خدا کی طرف سے ایک ہی نبی پر نازل ہوا ہے۔ لیکن راویوں کے اختلاف کی وجہ سے اس میں اختلاف (قرائت) رونما ہو گیا ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں کہیں اس مضمون کی آیات موجود ہیں:

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○[2]

اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضرور حبط ہو جائے گا اور تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ...[3]

تاکہ اللہ آپ کی اگلی اور پچھلی (باتیں جنہیں دشمن آپ کی) خطائیں (شمار کرتے ہیں) دور فرمائے۔

---

[1] آل عمران: ۱۸۷ [2] زمر: ۶۵ [3] فتح: ۴۸

وَلَوْلَآ أَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ...[1]

اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ آپ کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ہو جاتے، اس صورت میں ہم آپ کی زندگی میں بھی دوھرا عذاب اور آخرت میں بھی دوھرا عذاب چکھا دیتے۔

یا اس قسم کے مضامین پر مشتمل جو اور آیات ہیں ان سب کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ایاک اعنی و اسمعی یاجارۃ کے طریق پر نازل ہوئی ہیں۔ یعنی کہتا تو تجھ سے ہوں، مگر اے پڑوسن تو سن لے۔ یعنی ان آیات میں خطاب بظاہر پیغمبرؐ سے ہے مگر مقصد امت کے افراد کو (تنبیہ وتہدید کرنا ہے)۔ قرآن کی جن آیات میں لفظ او (یا) آیا ہے، وہاں مکلف کو اختیار ہے کہ وہ جس شق کو چاہے اختیار کرے۔ جیسے قسم توڑنے کے کفارہ کے سلسلہ میں وارد ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ[2]

قسم توڑنے کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑا پہنانا یا غلام آزاد کرنا ہے۔

اور قرآن میں جہاں یا ایھا الذین امنوا آیا ہے، توریت میں اس کی بجائے یاایھا المساکین وارد ہوا ہے۔ اسی طرح جن جن آیات کا سرنامہ یاایھاالذین آمنوا ہے، وہاں اس گروہ مؤمنین کے قائد، امیر، شریف اور سابق الایمان جناب امیر المؤمنین علی علیہ السلام بن ابی طالب ہیں۔

جو آیات بہشت کی طرف لے جاتی ہیں۔ (جن میں جنت کی خوش خبری دی گئی ہے) وہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور ان کے خالص شیعوں اور پیروکاروں کے بارے میں ہیں اور جو آیات دوزخ کی طرف لے جاتی ہیں، وہ دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآل رسول علیہم السلام اور ان کے مخالفین کے بارے میں نازل ہوئی

---

[1] الاسراء:۷۴۔۷۵ [2] المائدہ:۸۹

ہیں۔ جن آیات میں پہلی امتوں کے جن لوگوں کی جس نیکی اور خوبی کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس امت کے صالحین کی شان میں بھی سمجھی جائیں گی اور اسی طرح جن آیات میں اگلے لوگوں کی جس برائی کا ذکر ہوا ہے، وہ اس امت کے بروں کے بارے میں بھی سمجھی جائیں گی۔ تمام انبیاء و مرسلین میں کوئی نبی و رسول جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل و برتر نہیں ہے۔ نہ سلسلہ اوصیاء میں کوئی وصی آنحضرتؐ کے اوصیاء سے افضل و اعلیٰ ہے اور نہ ہی پہلی امتوں میں سے کوئی امت آنحضرتؐ کی امت سے بہتر ہے اور حضرتؐ کی امت سے مراد حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو اہل بیت علیہم السلام رسول کے صحیح پیرو ہیں، نہ دوسرے لوگ۔ اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں اور نہ ہی تمام لوگوں میں ان حضرات کے مخالفین سے بدتر کوئی ہے۔

انبیا و رسل، فرشتے
اور حجج خدا کے متعلق عقیدہ

حضرت شیخ ابو جعفرؒ (صدوق) فرماتے ہیں: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین اور حجہائے رب لعالمین (ائمہ طاہرین) صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین فرشتوں سے افضل واشرف ہیں۔ اس لیے کہ جب خداوند عالم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا:

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ [1]

میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں، فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا؟ جبکہ ہم تیری حمد و ثنا کو تسبیح اور تیری پاکیزگی کا ورد کرتے رہتے ہیں، اللہ نے فرمایا: (اسرار خلقت بشر کے بارے میں) میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرشتوں کی اس گفتگو سے ظاہر ہے کہ فرشتوں نے جس مرتبے کی تمنا کی تھی وہ

---

[1] البقرۃ:۳۰

ان کے رتبے سے بڑا تھا۔ (لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا رتبہ فرشتوں سے افضل تھا) علم موجب فضیلت ہوتا ہے۔ (اور حضرت آدم کو علم حاصل تھا):

فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○[1]

اور فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ، فرشتوں نے کہا: تو پاک و منزہ ہے، جو کچھ تو نے ہمیں بتا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، یقیناً تو ہی بہتر جاننے والا، حکمت والا ہے۔

قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○[2]

اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان (فرشتوں) کو ان کے نام بتلا دو، پس جب آدم نے انہیں ان کے نام بتلا دیے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہوں نیز جس چیز کا تم اظہار کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو وہ سب جانتا ہوں۔

ان سب باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ علاوہ برایں، وہ فرشتوں کے نبی تھے، جیسا کہ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ اے آدم! تم فرشتوں کو ان (ہستیوں) کے نام بتاؤ۔ منجملہ ان چیزوں کے جو جناب آدم علیہ السلام کی افضلیت ثابت کرتی ہیں ایک یہ ہے کہ خدا نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ[3] کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے اسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا تھا، جو ان سے افضل تھا۔ فرشتوں کا یہ سجدہ خدا کے لیے بندگی و اطاعت اور آدم علیہ السلام کے لیے باعث تکریم تھا، کیونکہ ان کے صلب میں جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہ السلام کے انوار ودیعت کیے گئے تھے۔ جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں:

---

[1] البقرۃ: ۳۱-۳۲ [2] البقرۃ: ۳۳ [3] الحجر: ۱۵

انا افضل من جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و من جمیع الملائکۃ المقربین۔

میں جبرائیل و میکائیل و اسرائیل، بلکہ تمام ملائکہ مقربین سے افضل و برتر ہوں۔

نیز فرمایا:

انا خیر البریۃ و سید ولد آدم

میں تمام کائنات سے افضل اور تمام اولاد آدم علیہ السلام کا سید و سردار ہوں۔

خدا کے اس قول لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ[1] مسیح نے کبھی بھی اللہ کی بندگی کو عار نہیں سمجھا۔ یعنی عیسیٰ بن مریم خدا کا بندہ ہونے سے انکار نہیں کرتے اور نہ ہی ملائکہ مقربین اس کا انکار کرتے ہیں، سے ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے۔ یہ تو خدا نے اس وجہ سے فرمایا کہ نصاریٰ میں سے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پروردگار ہیں اور وہ ان کی عبادت بھی کرتے ہیں اور کچھ لوگ صابئین وغیرہ ایسے بھی تھے جو فرشتوں کی پوجا کرتے تھے۔ (لہٰذا ان دونوں فرقوں کے عقائد کو رد کرنا مقصود تھا) خدا نے اپنے اس قول سے جتلا دیا کہ مسیح اور وہ لوگ جو میرے سوا معبود خیال کیے جاتے ہیں، وہ تمام اپنے آپ کو میرا بندہ ہونے سے انکار نہیں کرتے اور نہ اس میں اپنے لیے کوئی عار محسوس کرتے ہیں۔

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام فرشتے روحانی اور معصوم مخلوق ہیں۔ خدا نے جن باتوں کا انہیں حکم دیا ہے، ان میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہ وہی کرتے ہیں جس بات کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ وہ نہ تو کچھ کھاتے ہیں اور نہ کچھ پیتے ہیں۔ نہ انہیں تکلیف ہوتی ہے اور نہ بیمار ہوتے ہیں اور نہ انہیں بڑھاپا آتا ہے۔ ان کا کھانا پینا خدا کی تسبیح و تقدیس ہے۔ ان کی زندگی کا دار و مدار عرش کی ہوا پر منحصر ہے۔ ان کی لذت و فرحت انواع و اقسام کے علوم میں ہے۔ خدا نے جیسا چاہا اپنی قدرت سے انہیں نور و روح بنا کر پیدا کیا اور ان میں سے ہر ایک گروہ دیگر مخلوقات کی علیحدہ علیحدہ ہر نوع کی

---

[1] النساء: ۱۷۲

حفاظت کرتا ہے۔ ہم نے جن ہستیوں (انبیاء و ائمہ علیہم السلام) کو ملائکہ پر فضیلت دی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ملائکہ اور دیگر مخلوقات خداوندی سے بڑھ کر فضائل و کمالات حاصل ہیں۔ و اللہ اعلمُ۔

انبیاء اور اوصیاء کی تعداد کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: انبیا اور ان کے اوصیاء کی تعداد کے بارے میں ہمارا اعتقاد ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور اتنے ہی ان کے وصی ہیں۔ ہر ایک نبی کے لیے ایک وصی ہوتا تھا، جسے نبی بحکم الٰہی اپنا وصی قرار دیتا تھا۔

ہم ان کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کے ساتھ خدائے برحق کی جانب سے تشریف لائے۔ ان کا قول خدا کا قول اور ان کا حکم خدا کا حکم ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام نے سوائے خدا کی وحی اور اس کے حکم کے کبھی کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیا۔

اس تمام گروہ انبیا میں سے پانچ ایسے نبی ہیں جو سب انبیاء کے سردار ہیں، جن پر وحی کا دارومدار ہے اور وہ اولوالعزم پیغمبر اور صاحب شریعت رسول ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۵۔ سرکار ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

پھر ان تمام میں سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل و اشرف اور ان سب کے سردار ہیں۔ یہ کہ جناب حضور حق لے کے آئے اور گزشتہ انبیاء کی تصدیق و تائید فرمائی۔ جن لوگوں نے آنجنابؐ کی تکذیب کی وہ دردناک عذاب کا ذائقہ چکھیں گے اور جو لوگ آنجنابؐ پر ایمان لائے، ان کا احترام اور ان کی نصرت کی اور ساتھ

ساتھ اس نور مقدس، جو آنحضرتؐ کے ساتھ نازل ہوا تھا، کی اتباع بھی کی، تو بس یہی انسان کامیاب ہونے والے اور رستگاری پانے والے ہیں۔

یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ خدائے عز و جل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو جناب سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے افضل ہو۔ یہ ہستیاں خداوند عالم کو اپنی تمام کائنات سے زیادہ محبوب اور زیادہ محترم ہیں۔ یہی وہ پاک و پاکیزہ ہستیاں ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے (عالم ارواح) خداوند عالم کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا، جب کہ خدا نے تمام نبیوںؑ سے عہد و پیمان لیا اور ان کو اپنے نفوس پر گواہ بنا کر فرمایا تھا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ [1]

جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور ان پر خود انہیں گواہ بنا کر پوچھا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا: ہاں (تو ہمارا رب ہے)۔

روز میثاق خداوند کریم نے تمام انبیا (علیہم السلام) پر آنجناب کو مبعوث فرمایا اور خدا نے انہیں وہ سب فضائل و کمالات (اس کے علاوہ بھی) عنایت فرمائے جو دیگر انبیاء کو ان کی معرفت کے مطابق مرحمت فرمائے تھے، کیونکہ ہمارے رسولؐ کی معرفت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے سب سے پہلے رب العالمین کی ربوبیت کا اقرار کیا۔

ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ خداوند عالم نے تمام کائنات اور موجودات کو محمد و آل محمد علیہم السلام کی خاطر پیدا فرمایا ہے۔ اگر یہ بزرگوار نہ ہوتے تو خدائے عز و جل زمین و آسمان کو پیدا کرتا نہ جنت و دوزخ کو۔ آدمؑ و حوا پیدا ہوتے اور نہ فرشتے عالم وجود میں آتے اور نہ کائنات کی کوئی چیز پیدا ہوتی۔

ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام مخلوق پر حجت ہائے خداوندی بارہ امام (ع) ہیں:

---

[1] الاعراف: ۱۷۲

۱۔ امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابی طالب

۲۔ امام حسن

۳۔ امام حسین

۴۔ امام علی بن حسین زین العابدین

۵۔ امام محمد بن علی باقر

۶۔ امام جعفر بن محمد صادق

۷۔ امام موسیٰ بن جعفر کاظم

۸۔ امام علی بن موسیٰ رضا

۹۔ امام محمد بن علی تقی

۱۰۔ امام علی بن محمد نقی

۱۱۔ امام حسن بن علی عسکری

۱۲۔ امام محمد بن حسن صاحب العصر و الزمان، خلیفۃ الرحمٰن مہدی ہیں، جو زمین پر حجت خدا اور قائم بامر اللہ ہیں۔ آنکھوں سے غائب مگر آبادیوں میں حاضر ہیں۔ صلوات اللہ علیھم اجمعین۔

ان ہستیوں کے متعلق ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ وہی اولی الامر ہیں، جن کی اطاعت و فرمانبرداری کا خدائے تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ یہ تمام لوگوں کے اعمال کے گواہ، خدا کے (علوم کے) دروازے، اس تک پہنچنے کا راستہ و ذریعہ اور اس کی طرف پہنچنے کے لیے راہ و دلیل ہیں۔ اس کے علم کا خزانہ، اس کی وحی کے ترجمان اور اس کی توحید کے ستون ہیں۔ یہ سب بزرگوار خطا سے منزہ، لغزش سے محفوظ اور گناہ سے معصوم ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں، جن سے خدا نے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھا ہے اور ان کو ایسا پاک رکھا ہے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔ یہ حضرات، صاحب معجزات اور دلائل تھے نیز یہ بزرگوار تمام اہل زمین کے لیے اسی طرح باعث امان ہیں جس طرح آسمان والوں کے لیے ستارے باعث امان ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کی مثال اس امت میں کشتی نوح کی سی ہے، جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا، نیز ان کی مثال بنی اسرائیل کے باب حطہ کی مانند ہے۔ (جو اس میں داخل ہوا اس کے سابقہ گناہ معاف

ہو گئے) یہ سب کے سب خداوند عالم کے ایسے مکرم و معظم بندے ہیں جو کسی بات میں بھی اس کے حکم سے تجاوز نہیں کرتے اور اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

ہم ان حضرات کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان کی محبت عین ایمان اور ان سے عداوت کھلم کھلا کفر ہے۔ ان کا حکم خدا کا حکم، ان کی نہی خدا کی نہی ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ ان کا دوست خدا کا دوست اور ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔

ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ زمین کبھی ایسے شخص سے خالی نہیں رہ سکتی جو مخلوق پر حجت خدا ہو، خواہ وہ ظاہر و مشہود ہو یا مخفی و مستور۔

ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس وقت زمین میں حجت خدا اور اس زمانے میں بندوں پر خلیفہ ہدیٰ حضرت قائم منتظر محمد بن حسن بن علی محمد بن علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کے نام ونسب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی، آپ ہی دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح کہ وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ آپ ہی وہ مقدس ہستی ہیں، جس کے ذریعے سے خداوند عالم اپنے دین کو تمام ادیان عالم پر غالب فرمائے گا، اگر چہ مشرک اسے ناپسند کریں۔ خداوند عالم آنجنابؑ کے ہاتھ پر مشرق و مغرب تک تمام روئے زمین کو فتح کرے گا، یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ باقی نہ رہے گی جہاں سے اذان کی آواز نہ آئے۔ ساری دنیا میں بس خدا کے دین کا ہی ڈنکا بجے گا۔ یہ وہی مہدی موعود علیہ السلام ہیں، جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ جب حضرتؑ ظہور فرمائیں گے، اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بھی (آسمان سے) اتریں گے اور ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ آنجنابؑ کے پیچھے نماز پڑھنے والا جناب رسول خداؐ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی مانند ہوگا، کیونکہ وہ جناب رسول خداؐ کے خلیفہ اور ان کے وصی ہیں۔

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آنجنابؑ کے سوا کوئی اور شخص قائم (آل محمدؐ) نہیں ہو سکتا، اگر چہ مدت دراز تک ہی کیوں نہ غائب رہیں، بلکہ اگر ان کی غیبت کا سلسلہ زندگانی دنیا تک بھی دراز ہو جائے، تب بھی ان کے علاوہ کوئی اور شخص قائم آل محمد نہیں

ہوسکتا۔ کیونکہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے ان ہی کا نام ونسب بتایا ہے اور انہی (کی خلافت) پر نص فرمائی ہے اور انہی (کے ظہور) کی بشارت دی ہے۔ صلواۃ اللّٰہ علیہم اجمعین۔

میں نے اس فصل کو اپنی کتاب الھدایۃ سے اخذ کیا ہے۔

انبیاء، ائمہ اور ملائکہ کی عصمت کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابوجعفر (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: انبیا، ان کے اوصیا اور فرشتوں کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب معصوم عن الخطا اور ہر قسم کے عیب اور پلیدی سے پاک ہیں۔ وہ نہ کوئی گناہ کبیرہ کرتے ہیں اور نہ صغیرہ۔ یہ بزرگوار امر خداوندی کی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جس شخص نے ان حضراتؑ کی عصمت کا کسی حال میں بھی انکار کیا وہ ان کے مرتبے اور شان سے جاہل ہے اور جو ان سے جاہل ہے (ان کی معرفت نہیں رکھتا)، وہ کافر ہے۔ ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ تمام بزرگوار ابتدا سے انتہا تک معصوم اور صفات کمال و تمام وعلم وفضل سے متصف ہیں اور یہ اپنے تمام احوال میں سے کسی حالت میں بھی نقص جہالت اور معصیت سے متصف نہیں ہوتے۔

غلو اور تفویض کی نفی کے بارے میں عقیدہ

جناب شیخ ابوجعفر (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: غالیوں اور مفوضہ کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ لوگ (فی الحقیقت) خداوند عالم کی ذات کے منکر ہیں اور یہ لوگ یہود، نصاریٰ، مجوس، قدریہ اور خوارج بلکہ تمام اہل بدعت اور گمراہ کن نظریات رکھنے والے فرقوں سے بدتر ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے برابر کسی نے بھی خدا کی تحقیر و تصغیر نہیں کی۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [1]

کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تو اسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے: اللہ کی بجائے میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ کہے گا:) جو تم (اللہ کی) کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جو کچھ پڑھاتے ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم سچے ربانی بن جاؤ اور یہ بات تو ناممکن ہے کہ وہ تمہیں فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنانے کا حکم دے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی تمہیں مسلمان ہو جانے کے بعد کفر اختیار کرنے کا حکم دے۔

نیز خداوند عالم فرماتا ہے:

لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ... [2]

اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو (مذہب کی حدود نہ پھاندو) اور خدا کے بارے میں وہی بات کہو جو برحق ہے....

ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے:

- جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوہ خیبر میں زہر دیا گیا تھا اور وہ زہر برابر اثر کرتا رہا، یہاں تک کہ (۲۸ صفر ۱۱ھ کو) اسی زہر سے حضرتؐ کے قلب اطہر کی رگیں کٹ گئیں، جس سے آنجنابؐ نے شہادت پائی۔
- حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو عبدالرحمن ابن ملجم المرادی ملعون نے شہید کیا۔ (ضرب ۱۹ رمضان کو لگی اور شہادت ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو ہوئی) اور حضرتؑ کو نجف اشرف میں دفن کیا گیا۔

---

[1] آل عمران: ۷۹، ۸۰ [2] النساء: ۱۷۱

* حضرت امام حسن علیہ السلام کو ان کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کندی لعنہما اللہ نے زہر دیا۔ (۲۸ صفر ۵۰ھ کو شہادت پائی)۔
* حضرت امام حسین علیہ السلام کو میدان کربلا میں سنان بن انس نخعی لعنہما اللہ نے شہید کیا۔ (یہ ۶۱ھ یوم عاشورہ کا دن ہے)۔
* امام زین العابدین علیہ السلام کو ولید بن عبد الملک لعنہ اللہ فقتلہ نے زہر سے شہید کیا اور وہ جناب جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ)
* امام محمد باقر علیہ السلام کو ابراہیم بن ولید لعنہ اللہ نے زہر سے شہید کیا (۷ ذوالحجہ ۱۱۴ھ)
* حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو منصور دوانقی لعنہ اللہ فقتلہ نے زہر سے شہید کیا۔ (۲۵ شوال ۱۴۸ھ)
* حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہارون رشید لعنہ اللہ فقتلہ نے شہید کیا۔ (۲۵ رجب ۱۸۳ھ)
* امام علی رضا علیہ السلام کو مامون رشید لعنہ اللہ نے زہر جفا سے شہید کیا۔ (۳۰ صفر اور بروایتے ۲۳ ذی العقدہ ۲۰۳ھ)
* حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو معتصم عباسی لعنہ اللہ نے زہر سے شہید کیا۔ (۲۵ جمادی الثانی یا آخر ذوالقعدہ ۲۲۰ھ)
* امام علی نقی علیہ السلام کو متوکل عباسی لعنہ اللہ نے زہر جفا سے شہید کیا۔ (۳ رجب ۲۵۴ھ)
* حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو معتمد لعنہ اللہ نے زہر جفا سے شہید کیا۔ (۸ ربیع الاول ۲۶۴ھ)۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ان حضرات معصومین علیہم السلام کی شہادت واقعی طور پر ہوئی اور ان کا معاملہ لوگوں پر مشتبہ نہیں ہوا، جیسا کہ ان حضرات کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے والوں کا گمان ہے، بلکہ لوگوں نے حضرات معصومین علیہم السلام کو حقیقتاً اپنی آنکھوں سے شہید ہوتے دیکھا تھا، نہ یہ کہ صرف گمان وخیال کی بنا پر ان کی شہادت

کا نظریہ قائم کیا تھا۔ جو شخص یہ گمان کرے کہ یہ حضرات یا ان میں سے کوئی ایک بزرگ حقیقتاً شہید نہیں ہوا، بلکہ ان کی شبیہ کے ساتھ ایسا ہوا تو وہ ہمارے دین سے خارج ہے اور ہم اس سے بیزار ہیں۔ یہ اس لیے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے پہلے سے خبر دی تھی کہ ہم سب شہید کیے جائیں گے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حضرات شہید نہیں ہوئے تو درحقیقت ایسا شخص خود ان بزرگواروں کو جھٹلاتا ہے اور جس نے ان کو جھٹلایا اس نے گویا خدا کو جھٹلایا اور خدا کو جھٹلانے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا، اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ جناب امام رضا علیہ السلام اپنی دعا میں کہا کرتے تھے:

اللهم انی أبرأ الیك من الحول و القوة و لا حول و لا قوة الا بك، اللهم انی اعوذبك و ابرأ الیك من الذین ادعوا لنا ما لیس لنا بحق، اللهم انی ابرأ الیك من الذین قالوا فینا ما لم نقله فی أنفسنا، اللهم لك الخلق و منك الرزق و ایاك نعبد و ایاك نستعین، اللهم انت خالقنا و خالق آبائنا الاولین و آبائنا الآخرین، اللهم لا تلیق الربوبیة الا بك و لا تصلح الالهیة الا لك، فالعن النصاری الذین صغروا عظمتك و العن المضاهئین لقولهم من بریتك۔ اللهم انا عبیدك و أبناء عبیدك لا نملك لأنفسنا نفعا و لا ضرا و لا موتا و لا حیاة و لا نشورا، اللهم من زعم انّا ارباب فنحن منه براء، و من زعم أن الینا الخلق و علینا الرزق فنحن الیك منه برآء کبراءة عیسیٰ بن مریم من النصاری، اللهم انا لم ندعهم الی ما یزعمون، فلا تؤخذنا بما یقولون، و اغفرلنا ما یزعمون رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا، انك ان تذرهم یضلوا عبادك و لا یلدوا الا فاجرا

کفارا۔
بارالہا! میں تیری درگاہ میں اپنی ہر قسم کی طاقت و قوت سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں کیونکہ تو ہی ہر قسم کی طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے۔
یااللہ! میں ان لوگوں سے اپنی برائت کا اظہار کرتا ہوں جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔
اے اللہ! خلق کرنا اور حکم دینا تجھ ہی سے متعلق ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تو ہی ہمارا خالق اور ہمارے اولین و آخرین آبا و اجداد کا خالق ہے اور معبودیت و الوہیت کی صلاحیت فقط تجھ ہی میں ہے۔
اے پالنے والے! تو نصاریٰ پر لعنت کر کیونکہ انہوں نے تیری عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی اور ان لوگوں پر بھی لعنت کر جو تیری مخلوق میں سے ان (نصرانیوں) کے ہم خیال ہیں۔
خداوندا! ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔ ہم نہ اپنے نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی موت و حیات اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر قدرت رکھتے ہیں۔
بارالہا! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے اور روزی دیتے ہیں، ہم اس سے اسی طرح بری الذمہ اور بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم (ع) نصرانیوں سے بیزار تھے۔
یااللہ! جن باتوں کا یہ لوگ ہمارے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں، ہم نے ان کو اس کی دعوت نہیں دی۔ اس لیے جو کچھ وہ کہتے ہیں ہم سے اس کا مؤاخذہ نہ فرما اور جو وہ گمان کرتے ہیں ہمیں معاف فرما۔
پالنے والے! تو زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ، کیونکہ اگر تو انہیں زندہ چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور سوائے کافر اور فاسق و فاجر کے اولاد نہیں جنیں گے۔

جناب زرارہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ عبد اللہ بن سبا کی اولاد میں سے ایک شخص تفویض کا عقیدہ رکھتا ہے۔ امام نے فرمایا: تفویض کیا ہے؟ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ خداوند عالم نے صرف حضرت محمد مصطفیٰؐ و علی مرتضیٰؑ کو پیدا کیا۔ اس کے بعد تمام امور کی باگ ڈور ان کے حوالے کر دی۔ اب یہی دونوں بزرگوار پیدا کرتے ہیں، یہی روزی دیتے ہیں، یہی زندہ کرتے ہیں اور یہی مارتے ہیں (یہ سن کر) امامؑ نے فرمایا:

کذب عدو اللّٰہ، اذا رجعت الیہ فاقرأ علیہ الآیۃ التی فی سورۃ الرعد:

أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ [1]

دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے، جب تم اس کے پاس واپس جاؤ تو اس کے سامنے سورۂ رعد کی یہ آیت تلاوت کرو: کیا جنہیں ان لوگوں نے اللہ کا شریک بنایا ہے، کیا انہوں نے اللہ کی خلقت کی طرح کچھ خلق کیا ہے، جس کی وجہ سے مخلوقات کا مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا ہو؟ کہہ دیجیے: ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا، بڑا غالب آنے والا ہے۔

زرارہؒ بیان کرتے ہیں کہ جب میں اس آدمی کے پاس گیا اور اسے کلام امام علیہ السلام سے آگاہ کیا تو وہ اس طرح (مبہوت) ہو گیا کہ گویا کہ میں نے اس کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا اور گویا وہ گونگا ہو گیا۔ (کوئی جواب نہ دے سکا)

ہاں! البتہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے شرعی امور اور دینی احکام اپنے نبی کے سپرد کیے ہیں، جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا [2]

اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

---

[1] الرعد: ۱۶ [2] الحشر: ۷

یہی دینی احکام پیغمبرؐ کے بعد ائمہ اطہار(ع) کو سونپے گئے ہیں۔ غالیوں اور تفویض کے قائل لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ بزرگ علما اور مجتہدین کو مقصر کہیں گے اور غالیوں میں سے فرقہ حلاجیہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ خداوند عالم عبادت کی وجہ سے بندوں میں ظہور کرتا ہے، حالانکہ نماز اور دیگر واجبات شرعیہ کو ترک کرنا ان کا مذہب ہے۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ خدا کے اسم اعظم کو جانتے ہیں۔اس فرقے کے لوگوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ خدا نے ان میں حلول کیا ہوا ہے۔ ان کا یہ زعم فاسد بھی ہے کہ جب کوئی شخص مخلص ہو اور ان کے مذہب کی معرفت بھی پیدا کرے تو وہ ان لوگوں کے نزدیک انبیاء سے بھی افضل ہے۔ ان کے باطل دعوؤں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ وہ علم کیمیا جانتے ہیں، حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ ان کا کام صرف دھوکہ دینا ہے۔ پیتل اور قلعی سے (سونے اور چاندی کی شکل میں) مسلمانوں کو فریب دیتے ہیں۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کر اور ان تمام پر لعنت کر۔

ظالمین کے بارے میں عقیدہ

جناب شیخ ابوجعفر (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: ظالموں کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ ملعون اور رحمت خداوندی سے دور ہیں۔ ان سے بیزاری اختیار کرنا واجب ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ [1]

پھر ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ [2]

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا

---

[1] آل عمران: ۱۹۲ [2] ہود: ۱۸ ۔ ۱۹

ہے، ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے: یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، دیکھو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی لانا چاہتے ہیں اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں سبیل اللہ سے مراد حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب اور دوسرے ائمہ اطہار علیہم السلام ہیں۔

خدائے عز و جل کی کتاب میں دو قسم کے اماموں کا ذکر آیا ہے: ایک امام ہدایت، دوسرے امام ضلالت۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا...[1]

ان میں سے کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔

نیز (ائمہ ضلالت کی مذمت میں) خدا فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنْصَرُونَ ○ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ○[2]

اور ہم نے انہیں ایسے رہنما بنائے جو آتش کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن یہ قبیح (چہرہ والے) ہوں گے۔

جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ[3]

اور اس فتنے سے بچو! جس کی لپیٹ میں تم میں سے صرف ظلم کرنے والے ہی نہیں (سب) آئیں گے۔

تو (اس کی تفسیر میں) جناب رسول خداؐ نے فرمایا:

---

[1] السجدۃ: ۲۴ [2] القصص: ۴۱ ـ ۴۲ [3] الانفال: ۲۵

من ظلم عليا عليه السلام، مقعدی هذا بعد وفاتی فکانما جحد نبوتی و نبوة الانبیاء علیهم السلام من قبلی و من تولی ظالما فهو ظالم۔

جو شخص میری وفات کے بعد میرے مقام خلافت کے متعلق علی بن ابی طالبؑ پر ظلم کرے گا تو گویا اس نے میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کیا اور جو شخص کسی ظالم سے بھائی چارہ قائم کرے وہ خود بھی ظالم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○[1]

اے ایمان والو! تمہارے آباء اور تمہارے بھائی اگر ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں تو انہیں اپنا ولی نہ بناؤ اور یاد رکھو کہ تم میں سے جو لوگ انہیں ولی بنائیں گے وہ ظلم کا ارتکاب کرنے والے ہوں گے۔

نیز خدا فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ○[2]

اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی نہ رکھو جس پر اللہ غضبناک ہوا ہے، جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جیسے کفار اہل قبور سے ناامید ہیں۔

نیز خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] التوبۃ:۲۳ [2] الممتحنۃ:۱۳

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ [1]

آپ کبھی ایسے افراد نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے (بھی) ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں، خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔

نیز خدا فرماتا ہے:

وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ [2]

اور تم میں سے جو انہیں دوست بناتا ہے وہ یقیناً انہی میں سے ہے، بے شک اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

(اسی سلسلے میں ایک اور جگہ) ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ [3]

اور جنہوں نے ظلم کیا ہے، ان پر تکیہ نہ کرنا ورنہ تمہیں جہنم کی آگ چھو لے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی سرپرست نہ ہوگا پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔

لغت میں کسی چیز کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنے کا نام ظلم ہے۔ پس جو شخص امامت کا دعویٰ کرے حالانکہ وہ امام نہ ہو تو وہ ظالم اور ملعون ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی ظالم وملعون ہے، جو نا اہل لوگوں کی امامت کا قائل ہو۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

من جحد علیا علیه السلام امامته بعدی فقد جحد

---

[1] المجادلة: ۲۲ [2] المائدة: ۵۱ [3] هود: ۱۱۳

نبوتی و من جحد نبوتی فقد جحد اللّٰہ (و) ربوبیتہ۔
جو شخص میرے بعد حضرت علیؑ کی امامت کا انکار کرے گا، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے میری نبوت و رسالت کا انکار کیا اور اس نے گویا خدا کی ربوبیت کا انکار کیا۔
نیز آنحضرتؐ نے فرمایا:
یا علی انت مظلوم بعدی و من ظلمك فقد ظلمنی و من انصفك فقد انصفنی و من جحدك فقد جحدنی و من والاك فقد والانی و من عاداك فقد عادانی و من اطاعك فقد اطاعنی و من عصاك فقد عصانی۔
یا علیؑ! میرے بعد تم پر ظلم و ستم کیا جائے گا (یاد رکھو) جو شخص تم پر ظلم کرے گا وہ مجھ پر ظلم کرے گا اور جو تم سے انصاف کرے گا وہ مجھ سے انصاف کرے گا۔ جو تمہارا منکر ہوگا وہ میرا منکر ہوگا، جو تم سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جو تم سے دشمنی کرے گا وہ میرا دشمن ہوگا۔ جو تمہاری اطاعت کرے گا وہ میرا اطاعت گزار ہوگا اور جو تمہارا نافرمان ہوگا وہ میرا نافرمان ہوگا۔
ہمارا عقیدہ اس شخص کے متعلق جو حضرت امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ طاہرین (ع) کی امامت و خلافت کا منکر ہے، یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کی مانند ہے جس نے تمام انبیاء (ع) کی نبوت کا انکار کیا ہو اور جو شخص حضرت امیرالمومنینؑ کی امامت کا تو قائل ہو مگر دوسرے گیارہ اماموں میں سے کسی ایک کی امامت کا منکر ہو تو اس کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ایسا شخص اس آدمی کی مانند ہے جو تمام انبیاء ماسلف کی نبوت کا اقرار تو کرتا ہو، مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا منکر ہو۔
امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:
المنکر لآخرنا کالمنکر لأولنا۔
جو شخص ہمارے آخری امامؑ کا انکار کرے وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے ہمارے پہلے امامؑ کا انکار کر دیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

و الائمة من بعدی اثنی عشر، اولھم امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب و آخرھم المھدی القائم علیه السلام، طاعتھم طاعتی و معصیتھم معصیتی، و من انکر واحدا منھم فقد انکرنی۔

میرے بعد (میری مسند خلافت کے وارث) بارہ امامؑ ہوں گے۔ ان میں سے پہلے حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں اور آخری حضرت مہدی قائم (ع) ہوں گے۔ ان کی اطاعت میری اطاعت اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک کی امامت کا انکار کرے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے میری نبوت کا انکار کیا۔

امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:

من شك فی کفر اعدائنا و الظالمین لنا فھو کفر۔

جو شخص ہمارے دشمنوں اور ہم پر ظلم کرنے والوں کے کفر میں شک کرے، وہ خود کافر ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں:

ما زلت مظلوما منذ ولدتنی امی حتی ان عقیلا کان یصیبه الرمد، فیقول لا تداوونی حتی تداووا علیاً فیداوونی و ما لی رمد۔

میری ابتدائے ولادت سے برابر مجھ پر ظلم ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ جب عقیلؓ کی آنکھوں میں درد ہوتا تھا تو وہ کہتے: پہلے علیؑ کی آنکھ میں دوا ڈالو، تب میں ڈلواؤں گا۔ اس وقت میری آنکھوں میں دوا ڈال دی جاتی تھی حالانکہ میری آنکھوں میں قطعاً کوئی درد نہ ہوتا تھا۔

حضرت علیؑ سے جنگ کرنے والوں کے متعلق ہمارا عقیدہ پیغمبرؐ کے اس ارشاد

کے مطابق ہے:

من قاتل عليا فقد قاتلني و من حارب عليا فقد حاربني و من حاربني فقد حارب الله۔

...جو حضرت علیؑ سے جنگ کرے وہ مجھ سے جنگ کرتا ہے اور مجھ سے لڑائی کرنے والا خدا سے لڑنے والا ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ جناب امیر المؤمنین، حضرت فاطمہ اور حضرت امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے:

انا حرب لمن حاربکم و سلم لمن سالمکم۔

جو شخص تم سے لڑے گا میری بھی اس سے لڑائی ہے اور جو تم سے صلح کرے گا اس سے میری بھی صلح ہے۔

سیدۂ عالم جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے بارے میں ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مخدرہ تمام زنان اوّلین و آخرین کی سیدہ و سردار ہیں۔ خدائے عز و جل ان کی ناراضی سے ناراض اور ان کی رضامندی سے رضا مند ہوتا ہے، کیونکہ اس معصومہ کو خداوند عالم نے ان کے محبین کے ساتھ آتش جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔ ہم اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ جناب سیدہ (س) اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئیں کہ آپ سلام اللہ علیہا ان لوگوں پر ناراض تھیں جنہوں نے آپ پر ظلم و ستم کیا۔ آپ سلام اللہ علیہا کے حق کو غصب کیا اور میراث پدر سے محروم کیا، حالانکہ جناب پیغمبر اسلام فرمایا کرتے تھے:

ان فاطمة بضعة مني من آذاها فقد آذاني و من غاظها فقد غاظني سرها فقد سرني۔

فاطمہ (س) میرا ٹکڑا ہے، جس نے ان کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے ان کو غضب ناک کیا، اس نے مجھے غضب ناک کیا اور جس نے ان کو خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان فاطمة بضعة مني و هي روحي التي بين جنبي،

یسوئنی ما سائها و یسرنی من سرھا۔
فاطمہ(س) میرا ٹکڑا ہے۔ فاطمہ(س) میری وہ روح ہے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے. جو چیز ان کو رنج پہنچائے وہ مجھے رنج پہنچاتی ہے اور جو چیز ان کو مسرور و شادکام کرے وہ مجھے مسرور و شادکام کرتی ہے۔

براءت کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ چار بتوں سے براءت واجب ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ یغوث ۲۔ یعوق

۳۔ نسر ۴۔ ہبل

اسی طرح ان چار اصنام سے بھی بیزاری لازم ہے، جنہیں خدا کی مثل سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ لات ۲۔ منات

۳۔ عزیٰ ۴۔ شعریٰ

نیز ان لوگوں سے بھی برأت و بیزاری اختیار کرنا واجب ہے جو ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہیں اور جو ان کے فرمانبردار ہیں۔ یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا لوگ بدترین خلائق ہیں۔ خدا کی وحدانیت، رسول اللہؐ کی رسالت اور ائمہ ہدیٰ (ع) کی امامت کا اقرار اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ان کے دشمنوں سے مکمل برائت و بیزاری اختیار نہ کی جائے۔ انبیا و مرسلین اور معصومین علیہم السلام کے قاتلوں کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ لوگ کافر اور مشرک ہیں۔ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں دائمی عذاب الٰہی میں گرفتار رہیں گے۔ جو شخص اس کے علاوہ کچھ اور عقیدہ رکھے اس کا دین خدا سے کوئی تعلق نہیں۔

تقیہ کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق)" فرماتے ہیں: تقیہ کے بارے میں ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ واجب ہے اور اس کا ترک کرنے والا تارک نماز کی مانند ہے۔ امام جعفر

صادق (ع) کی خدمت میں عرض کیا گیا: فرزند رسول! ہم مسجد میں ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو کھلم کھلا آپؑ کے دشمنوں کا نام لے کر ان پر سب وشتم کرتا ہے۔

حضرت نے فرمایا:

ما له لعنه اللّٰه یعرض بنا

اس ملعون کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ہمیں معرض خطر میں ڈال کر لوگوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتا ہے۔ حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[1]

اور اللہ کو چھوڑ کر جنہیں یہ پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو، مبادا وہ عداوت اور نادانی میں اللہ کو برا کہنے لگیں۔

حضرت امام صادق (ع) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فلا تسبوهم فلأنهم یسبوا علیکم۔

ان لوگوں پر سب وشتم نہ کرو ورنہ یہ لوگ تمہارے علیؑ پر سب و شتم کریں گے۔

پھر فرمایا:

من سب ولی اللّٰه فقد سب اللّٰه۔

جو شخص ولی اللہ کو برا کہے اس نے گویا خداوند عالم کو برا کہا۔

جناب رسول خداؐ نے حضرت امیرالمومنینؑ سے فرمایا:

من سبك یا علی فقد سبنی، و من سبنی فقد سب اللّٰه تعالیٰ۔

اے علیؑ! جو شخص تم پر سب کرتا ہے وہ خدا پر سب کرتا ہے۔

اور تقیہ واجب ہے اور حضرت قائم آل محمدؐ کے ظہور تک اس کا ترک کرنا جائز نہیں، جو شخص آپ کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کرے گا وہ دین خدا یعنی مذہب امامیہ سے خارج ہوجائے گا اور خدا اور رسولؐ وائمۂ ہدیٰؑ کا مخالف متصور ہوگا۔

قول خدا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ[2]

---

[1] الانعام:۱۰۸ [2] الحجرات:۱۳

تم میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناً وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

کی تفسیر پوچھی گئی، فرمایا:

اعملكم بالتقيه۔ و وقد اطلق الله تبارك و تعالى اظهار موالاة الكافرين حال التقية، و قال عز و جل:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً [1]

اَتْقٰكُمْ سے مراد وہ شخص ہے جو تقیہ پر سب سے زیادہ عمل کرے۔ خدا نے تقیہ کی حالت میں کفار سے دوستی ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

مومنوں کو چاہیے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے کوئی طرز عمل اختیار کرو (تو اس میں مضائقہ نہیں)۔

نیز فرماتا ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ [2]

جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا۔ اللہ یقیناً انصاف

---

[1] آل عمران: ۲۸ [2] الممتحنہ: ۸-۹

کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو یقیناً تمہیں ایسے لوگوں سے
دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے
جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہاری جلاوطنی
پر ایک دوسرے کی مدد کی ہے کہ ان سے دوستی کریں اور جو ان
لوگوں سے دوستی کریں گے پس وہی لوگ ظالم ہیں۔
امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:
انی لاسمع الرجل فی المسجد و هو یشتمنی فاستتر
منه بالسارية کی لا یرانی۔
میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں کہ ایک شخص مجھے گالیاں دے رہا
ہوتا ہے مگر میں اس خیال سے کہ وہ مجھے دیکھ نہ لے، ستون کے
پیچھے چھپ جاتا ہوں۔
نیز آپؑ فرماتے ہیں:
خالطوا الناس بالبرانية و خالفوهم بالجوانية، ما دامت
الامراة حسبيانية۔
جہاں تک ممکن ہوسکے اپنے مخالفین سے ظاہر میں رواداری کرو اور
ان سے میل ملاپ رکھو، مگر اندرونی طور پر ان کے مخالف رہو۔
فرمایا:
ان الرياء مع المؤمن شرك و مع المنافق فی داره عبادة۔
مومن سے ریاکاری کرنا شرک کے مترادف اور منافق سے اس
کے گھر میں ریاکاری کرنا بمنزلہ عبادت ہے۔
نیز فرمایا:
من صلی معه فی الصف الاول فکانما صلی مع رسول
اللّٰہ صلی اللہ علیه و آله فی الصف الاول۔
جو شخص مخالفین کے ساتھ ان کی پہلی صف میں نماز پڑھے تو وہ ایسا
ہے کہ گویا اس نے جناب رسول خداؐ کے ساتھ صف اول میں نماز

پڑھی ہو۔
آپؑ ہی سے منقول ہے
عودوا مرضاهم و اشهدوا جنائزهم و صلوا فی مساجدهم۔
ان (مخالفین) کے بیماروں کی بیمار پرسی کیا کرو اور ان کے جنازوں میں شریک ہوا کرو اور ان کی مسجدوں میں نماز پڑھا کرو۔
نیز فرمایا:
کونوا لنا زینا و لا تکونوا علینا شینا۔
ہمارے لیے باعث زینت بنو، باعث ننگ و عار نہ بنو۔
نیز فرمایا:
رحم اللّٰہ امرء ا احبنا الی الناس و لم یبغضنا الیهم۔
خدا اس شخص پر رحمت نازل فرمائے، جو مخالفین کے دلوں میں ہماری محبت پیدا کرتا ہے اور ہمیں ان کی نظروں میں دشمن نہیں بناتا۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے قصہ گویوں کا تذکرہ کیا گیا، آپؑ نے فرمایا:
لعنهم اللّٰہ انهم یشنعون علینا۔ خدا ان پر لعنت کرے کہ یہ ہم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔
پھر آپؑ سے سوال کیا گیا کہ ایسے قصہ گویوں کے قصص و حکایات کو سننا جائز ہے؟
فرمایا: لا۔ ہرگز نہیں۔
نیز انہی حضرتؑ سے مروی ہے۔ فرمایا:
من اصغی الی ناطق فقد عبده فان کان الناطق عن اللّٰہ فقد عبد اللّٰہ و ان کان الناطق عن ابلیس فقده عبده۔
جو شخص کسی بات کرنے والے کی طرف کان لگا کر اس کی باتوں کو غور سے سنتا ہے تو گویا وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ لہٰذا اگر بات

کرنے والا خدا اور دین خدا کی باتیں کر رہا ہے تو سننے والا خدا کا
عبادت گزار ہوگا اور اگر لغویات اور شیطانی قصے بیان کر رہا ہے تو
سننے والا بھی ابلیس کا عبادت گزار متصور ہوگا۔

کسی نے امامؑ سے قول خداوندی: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ[1] اور شاعروں
کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں کی تفسیر پوچھی۔ آپؑ نے فرمایا:

یہاں شاعروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو جھوٹے قصے کہانیاں بیان
کیا کرتے ہیں۔

جناب رسول خداؐ نے فرمایا:

من اتی ذا بدعة فوقره فقد سعی فی هدم الاسلام۔

جو شخص کسی بدعتی انسان کے پاس جائے اور جا کر اس کی تعظیم و
تکریم کرے تو اس نے (ارکان) اسلام کو گرانے کی کوشش کی۔

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص دین (برحق) کی باتوں میں سے کسی ایک بات
میں بھی ہمارا مخالف ہے وہ ان لوگوں کی مانند ہے جو ہمارے دین کی تمام باتوں میں
ہمارے مخالف ہیں۔

حضرت رسول خداؐ کے آبا و اجداد کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: ان بزرگواروں کے متعلق ہمارا اعتقاد
یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ تک
سب کے سب مسلمان اور موحد تھے۔ اسی طرح حضرت ابو طالب بھی مسلمان تھے اور
جناب رسول خداؐ کی والدہ گرامی حضرت آمنہ بنت وہب بھی مسلمان تھیں۔ جناب
رسول خداؐ فرماتے ہیں:

اخرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح من لدن آدمؑ۔

و قد روی ان عبد المطلب کان حجة و ابا طالب علیه

---

[1] الشعراء: ۲۲۴

السلام کا وصیہ۔

حضرت آدمؑ سے لے کر اپنے والدین تک شرعی نکاح کے ذریعے پیدا ہوئے ہیں۔

آنحضرت کے دادا جناب عبد المطلب حجت خدا تھے اور عم رسولؐ جناب ابوطالبؑ ان کے وصی تھے۔

اولادِ علیؑ کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق) ؒ فرماتے ہیں: حضرت علیؑ کی اولاد امجاد کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ آل رسولؐ ہیں اور ان کی مودت و محبت تمام مسلمانوں پر واجب ہے، کیونکہ وہ اجر رسالت ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى [1]

کہہ دیجیے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے۔

صدقہ چونکہ لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل ہوتا ہے اور ان کے لیے باعث طہارت (باطنی) ہوتا ہے، اس لیے وہ ان (سادات) پر حرام کر دیا گیا ہے، مگر اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بعض کا صدقہ بعض پر نیز ان کا صدقہ ان کے غلاموں اور کنیزوں پر حلال ہے۔ چونکہ زکوٰۃ ان پر حرام ہے، اس لیے اس کے عوض میں مال خمس اولاد رسولؐ کے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔

سادات کے بارے میں ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جو شخص ان میں سے بدعمل ہوگا، اس کو بہ نسبت غیر سادات کے دگنا عذاب ہوگا اور ان میں سے جو نیکوکار ہوگا اسے دگنا ثواب ملے گا۔ سادات کرام آپس میں ایک دوسرے کے کفو اور ہمسر ہیں۔ اس امر کی تائید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے، جو آپؐ نے جناب جناب ابو طالبؑ کی اولاد یعنی حضرت علیؑ اور جناب جعفر طیار کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا تھا:

---

[1] الشوریٰ: ۲۳

بناتنا کبنینا و بنونا کبناتنا۔
ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کی مثل اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کی مانند ہیں۔
حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں:
من خالف دین اللّٰہ و تولی اعدائه او عادی اولیاء اللّٰہ فالبرائة منه واجبة کائنا من کان و من ای قبیلة کان۔
جو شخص دین خدا کی مخالفت کرے اور دشمنان خدا سے محبت کرے یا خدا تعالیٰ کے اولیاء سے دشمنی رکھے، اس سے بیزاری اختیار کرنا واجب ہے۔ وہ کوئی بھی ہو اور جس قوم اور قبیلہ سے ہو۔
حضرت امیر المؤمنین (ع) نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ سے فرمایا:
تواضعك فی شرفك اشرف لك من شرف آبائك۔
تمہارا وہ شرف جو تواضع و انکساری سے حاصل ہو اس سے بہتر ہے جو تمہیں اپنے باپ دادا کی نسبت سے حاصل ہو۔
امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:
ولایتی لأمیر المؤمنین علیه السلام أحب الی من ولادتی منه۔
حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت کا اعتقاد رکھنا مجھے ان کی اولاد میں سے ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔
حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آل رسولؐ سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا:
آل محمد صلی اللّٰہ علیه و آله من حرم علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله نکاحه۔
آل محمدؐ سے مراد وہ ہیں جن سے رسول خداؐ کے لیے نکاح کرنا حرام ہے۔
خداوند عالم فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ [1]

اور بتحقیق ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی تو ان میں سے کچھ ہدایت پا گئے اور ان میں بہت سے فاسق ہو گئے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی کہ خلاق عالم فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ [2]

پھر ہم نے اس کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا ہے، پس ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا:

الظالم لنفسه هنا من لم يعرف حق الامام عليه السلام، و المقتصد من عرف حقه، و السابق بالخيرات باذن الله هو الامام عليه السلام۔

اس آیت میں ظالم سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے امام برحق کے حق کی معرفت نہیں رکھتا، مقتصد (میانہ رو) سے مراد وہ شخص ہے جو امام کے حق کو پہچانتا ہو اور بحکم خدا نیکیوں میں سبقت کرنے والے سے مراد خود امامؑ ہیں۔

جناب اسماعیل نے اپنے والد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہم میں سے جو لوگ گنہگار ہیں ان کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا:

---

[1] الحدید:۲۶ [2] فاطر:۳۲

لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ؕ مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۝[1]

نہ تمہاری آرزوؤں سے بات بنتی ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے، جو برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا اور اللہ کے سوا نہ اسے کوئی کارساز میسر ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔

ایک طویل حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لیس بین اللّٰہ و بین احد قرابۃ، ان احب الخلق الی اللّٰہ اتقاھم لہ و اعملھم بطاعۃ اللّٰہ، و اللّٰہ ما یتقرب العبد الی اللّٰہ عز و جل الا بالطاعۃ، ما معنا براءۃ من النار و لا علی اللّٰہ لاحد من حجۃ، من کان للّٰہ مطیعا فھو لنا ولی، و من کان للّٰہ عاصیا فھو لنا عدو، و لا ینال ولایتنا الا بالورع و العمل الصالح۔

خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان کسی قسم کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ تمام مخلوقات میں وہی شخص خدا کو زیادہ محبوب ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہے اور سب سے زیادہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ خدا کی قسم! خدا کی بارگاہ میں بغیر اس کی اطاعت و بندگی کے کوئی شخص بھی اس کا تقرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس دوزخ سے نجات حاصل کرنے کا کوئی پروانہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے پاس خدا کے بالمقابل کوئی حجت ہے۔ جو شخص خدا کا اطاعت گزار ہے، وہ ہمارا دوست ہے اور جو خدا کا نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہماری ولایت اور دوستی، حرام سے بچنے اور عمل صالح بجالانے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

نوح علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] النساء: ۱۲۳

رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ ○ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ۫ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ○[1]

اے میرے پروردگار! بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا: اے نوح! بے شک یہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، یہ غیر صالح عمل ہے، لہٰذا جس چیز کا آپ کو علم نہیں اس کی مجھ سے درخواست نہ کریں، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا نادانوں میں سے ہو جائیں۔ نوح نے کہا: میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی۔

وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیۡنَ كَذَبُوۡا عَلَی اللّٰهِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّۃٌ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَكَبِّرِیۡنَ ○[2]

اور جنہوں نے اللہ کی نسبت جھوٹ بولا: قیامت کے دن آپ ان کے چہرے سیاہ دیکھیں گے، کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

من زعم انه امام و لیس بامام،

اس سے وہ شخص مراد ہیں جو امامت کا دعویٰ کرے، حالانکہ امام نہ

---

[1] ھود: ۴۵ تا ۴۷ [2] الزمر: ۶۰

ہو۔

کسی نے عرض کیا: اگرچہ وہ جھوٹا مدعی امامت، علوی فاطمی بھی ہو؟

فرمایا:

و ان کان علویا فاطمیا۔

اگرچہ وہ علوی فاطمی بھی ہو۔

حضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

لیس بینکم و بین من خالفکم الا مضمر،

تمہارے اور تمہارے مخالفین کے درمیان صرف مضمر کا فرق ہے۔

عرض کیا گیا: مضمر کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

الذی یسمونہ بالبرائۃ، و من قال خالفکم و جازہ فابروؤا منہ و ان کان علویا فاطمیا۔

مضمر وہی چیز ہے جسے تم برائت کے نام سے یاد کرتے ہو۔ جو شخص مذہب میں تمہارا مخالف ہو اور (مذہب حق) سے تجاوز کر جائے، تم اس سے بیزاری اختیار کرو، اگرچہ وہ علوی اور فاطمی ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح آپؑ نے اپنے بیٹے عبداللہ (افطح) کے بارے میں اپنے اصحاب سے فرمایا:

انہ لیس علی شیءٍ مما انتم علیہ و انی ابرء منہ براء اللّٰہ عز و جل منہ۔

جس مذہب پر تم لوگ ہو، یہ اس پر نہیں ہے۔ میں اس سے بیزار ہوں، خدا بھی اس سے بیزار ہے۔

حرمت اور جواز کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: اس بارے میں ہمارا اعتقاد یہ

ہے کہ جب تک کسی چیز کے متعلق خدا کی طرف سے نہی وارد نہ ہو اس وقت تمام چیزیں جائز اور مباح سمجھی جائیں گی۔

مجمل اور مفسر احادیث کے بارے میں عقیدہ

جناب شیخ (صدوق) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جن احادیث میں تفصیلی احکام مذکور ہیں، وہ مجمل احادیث کی تفسیر متصور ہوں گی اور مجمل احادیث کو ان پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

طب کے متعلق وارد شدہ احادیث کے بارے میں عقیدہ

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق)" فرماتے ہیں: اس سلسلے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کی چند قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف مکہ اور مدینہ کی ہوا کے مطابق ہیں، لہٰذا ان کو دوسرے ممالک کی آب و ہوا میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ کچھ حدیثیں ایسی ہیں کہ ان میں امامؑ نے کسی خاص مریض کی طبیعت کے مطابق دوا بتائی ہے اور اس سے آگے تجاوز نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نسبت خود مریض کے، اس کے مزاج سے زیادہ واقف تھے۔ بعض احادیث ایسی ہیں جنہیں مخالفین نے دھوکے سے کتابوں میں داخل کر دیا ہے تاکہ عام لوگوں کی نظروں میں مذہب حق کی صورت بگڑ جائے۔ کچھ حدیثیں ایسی ہیں جن کو نقل کرنے والے راویوں سے سہو ہو گیا ہے۔ کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کا کچھ حصہ تو (راویوں کو) یاد رہا اور کچھ حصہ فراموش ہو گیا۔

شہد کے متعلق حدیث میں جو وارد ہے کہ وہ ہر مرض کے لیے شفا ہے، یہ حدیث صحیح ہے، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ شہد میں ہر اس مرض کی شفا ہے جو سردی کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ اسی طرح بواسیر کے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ اس کے مریض کو ٹھنڈے پانی سے استنجا کرنا چاہیے، تو یہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ مرض گرم

چیزوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ اسی طرح بینگن کے متعلق جو وارد ہے کہ اس میں شفا ہے تو یہاں بھی یہ حکم خاص اس وقت کے لیے ہے جب خرما پکنا شروع ہوا ہو اور مریض خرما کھائے، ہر وقت اور ہر شخص کے لیے نہیں ہے۔

البتہ بیماریوں کی صحیح دوائیں جو ائمۂ اطہار (ع) سے منقول ہیں، وہ قرآن کی آیات اور سورتیں ہیں اور ایسی دعائیں جو کتب احادیث میں صحیح اور مستند طریقے سے وارد ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کان فیما مضی یسمی الطبیب " المعالج " فقال موسی بن عمران : یا رب ممن داء؟ قال: منی، و قال: یا رب من الدواء ؟ قال: من عندی، فقال: فما یصنع الناس بالمعالج؟ فقال یطیب بذلک انفسهم، فسمی الطبیب طبیبا بذلک۔

گزشتہ زمانے کے لوگ طبیب کو معالج کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ بن عمران نے دربار خداوندی میں عرض کیا: میرے پروردگار! بیماری کس کی طرف سے ہے؟ فرمایا: میری طرف سے۔ پھر عرض کیا: دوا کس کی طرف سے ہے۔ فرمایا: وہ بھی میری طرف سے ہے۔ حضرت موسیٰ (ع) نے عرض کیا: تو پھر یہ لوگ معالج کے پاس جا کر کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: اس سے ان کے دل خوش ہو جاتے ہیں۔ اسی بنا پر معالج کو طبیب کہا جانے لگا۔

لغت میں طب کے معنی دوا کرنے کے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت داؤد (ع) کی عبادت گاہ کی محراب میں روزانہ ایک گھاس اگتی، قدرت ایزدی سے گویا ہو کر کہتی: اے داؤدؑ! مجھے حاصل کر لیجیے کہ میں فلاں فلاں مرض کے لیے کام آؤں گی۔

چنانچہ حضرت داؤد (ع) نے اپنی آخری عمر میں محراب میں ایک گھاس کو اگا ہوا دیکھ کر اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام الخروبۃ ہے۔ اس وقت حضرت داؤد (ع) نے فرمایا: بس میری محراب تباہ ہو گئی۔ اب اس کے

بعد یہاں کوئی چیز نہیں اگے گی۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من لم یشفه الحمد فلا شفاه اللّٰه۔

جس شخص کو سورۂ حمد شفا نہ دے اس کو خدا بھی شفا نہ دے۔

دو مختلف حدیثوں کے متعلق عقیدہ

جناب شیخ (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جو احادیث صحیح طرق و اسانید کے ساتھ ائمہ اہل بیتؑ سے مروی ہیں وہ سب کی سب قرآن کے موافق ہیں اور معنوی طور پر وہ سب باہم متفق ہیں۔ ان میں کوئی باہمی اختلاف و تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بذریعہ وحی و الہام خداوند عالم سے ماخوذ ہیں۔

ہاں! اگر وہ خدا کے علاوہ کسی اور کی جانب سے ہوتیں تو ان میں ضرور اختلاف ہوتا اور جن احادیث میں ظاہری طور پر کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اس کے مختلف علل و اسباب ہیں۔ مثلاً ظہار کے کفارہ کے بارے میں ایک حدیث میں ایک بندہ آزاد کرنے کا حکم ہے۔ دوسری روایت میں دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور تیسری حدیث میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا وارد ہے۔ ان احادیث میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ تینوں احادیث اپنے اپنے مقام پر بالکل درست ہیں۔

روزے اس شخص پر واجب ہیں جسے آزاد کرنے کے لیے غلام نہ مل سکے، کھانا کھلانے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا اور یہ بھی منقول ہے کہ وہ جتنی قدرت رکھتا ہے اتنا صدقہ دے دے۔ یہ حکم اس آدمی کے لیے ہے جو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

کچھ احادیث ایسی بھی ہیں، (بظاہر مختلف معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک حدیث دوسری حدیث کے قائم مقام ہوجاتی ہے) جیسے قسم توڑنے کے کفارہ کے متعلق وارد ہوا ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلاؤ جو تم اپنے اہل خانہ کو کھلاتے ہو یا دس مسکینوں کو لباس پہناؤ یا ایک بندہ آزاد کرو

اور جس کے پاس آزاد کرنے کے لیے غلام نہ ہو وہ تین روزے رکھ لے۔

کفارۂ قسم کے سلسلے میں تین قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں: ایک میں کھانا کھلانے کا حکم ہے۔ دوسری میں لباس پہنانے کا اور تیسری میں غلام آزاد کرنے کا۔ اب ایک جاہل آدمی کے نزدیک یہ احادیث باہم مختلف ہیں، حالانکہ درحقیقت ان میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان تین کفاروں میں سے جو بھی ایک ادا کر دیا جائے گا وہ باقی دو کفاروں کے قائم مقام ہو جائے گا اور کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جو حالت تقیہ میں وارد ہوئی ہیں۔

اس اختلاف کا ایک اور خاص سبب ہے۔ چنانچہ سلیم بن قیس ہلالی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے سلمان، ابوذر اور مقداد رضوان اللہ علیہم سے بعض آیات کی ایسی تفسیر اور جناب رسالتمآبؐ کی بعض ایسی احادیث سنی ہیں جو دوسرے لوگوں کی تفسیر و احادیث کی مخالف ہیں اور پھر میں نے آپؑ سے ان ہر سہ حضرات کی روایات کی تصدیق سنی ہے نیز میں نے لوگوں کے پاس تفسیر قرآنی اور احادیث کا ایک ذخیرہ دیکھا ہے جس کی آپ حضرات مخالفت کرتے ہیں اور آپؑ کا خیال ہے کہ یہ سب کا سب ذخیرہ تفسیر و احادیث غلط اور باطل ہے۔ کیا ان لوگوں نے عمداً جناب رسالتمآبؐ پر جھوٹ بولا ہے اور قرآن کی تفسیر بالرائے کی ہے؟

راوی (سلیم بن قیس) بیان کرتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا:

قد سألت فافهم الجواب، فان فی ایدی الناس حقا و باطلا و صدقا و کذباو ناسخا و منسوخا و خاصا و عاما، و محکماو متشابها و حفظا و وهما، و قد کذب علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله و علی عهده حتی قام خطیبا و قال: ایها الناس قد کثرت الکذابة علی، فمن کذب علی متمعدا فلیتبوء مقعده من النار،ثم کذب علیه من بعده، و انما اتاکم الحدیث من اربعة لیس لهم خامس: رجل منافق اظهر الایمان، متصنع بالاسلام، و لا یتاثم و لا یتحرج ان یکذب علی رسول

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله متعمدا، فلو علم الناس انه منافق كذاب، لم يقبلوا منه، و لم يصدقوه ، ولكنهم قالوا: هذا صحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله ورآه و سمع منه فأخذوا عنه، و هم لا يعرفون حاله و قد اخبر اللّٰہ تعالیٰ عن المنافقين بما اخبروا و وصفهم بما وصفهم، فقال عز من قائل:

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ [1]

ثم تفرقوا بعده فتقربوا الى ائمة الضلالة و الدعاة الى نار بالزور و الكذب و البهتان فولو هم الاعمال و اكلوا بهم الدنيا و حملوهم على رقاب الناس، و انما الناس مع الملوك؟ و الدنيا الا من عصمة اللّٰہ، فهذا احد الاربعة۔

و سمع رجل آخر من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله شيئا و لم يحفظه على وجهه و وهم فيه و لم يتعمد كذبا فهو فی يده يقول به و يعمل به ويرويه و يقول: انا سمعته عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله فلو علم الناس انه وهم لم يقبلوه، و لو علم هو انه وهم لرفضه۔

و رجل ثالث سمع من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله شيئا امر به، ثم نهى عنه، و هو لا يعلم او سمعه نهى عن شيء، ثم امر به و هو لا يعلم فحفظ منسوخه و لم يحفظ الناسخ، فلو علم انه منسوخ لرفضه، و لو علم المسلمون ان ما سمعوه منه انه منسوخ لرفضوه ۔

و رجل رابع لم يكذب على اللّٰہ و لا على رسول اللّٰہ

---

[1] المنافقون:۴

صلی اللہ علیہ و آلہ مبغضا للکذب خوفا من اللہ عز و
جل و تعظیما لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و لم
ینسہ، بل حفظ ما سمع علی وجھہ، فجاء بما کما
سمع، لم یزد و لا ینقص منہ، و علم الناسخ و
المنسوخ، فعمل بالناسخ و رفض المنسوخ۔
و ان امر النبی صلی اللہ علیہ و آلہ مثل القرآن ناسخ و
منسوخ و خاص و عام، و محکم متشابہ، و قد یکون
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کلام لہ وجھان:
کلام عام و کلام خاص مثل القرآن، قال اللہ عز و جل
فی کتابہ:
وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [1]
فاشتبہ علی من لم یعرف ما عنی اللہ و رسولہ، و لیس
کل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ یسألونہ و
یستفھمونہ، لان فیھم قوما کانوا یسألونہ و لا
یستفھمونہ لأن اللہ تعالیٰ نہاھم عن السوال حیث یقول:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ
وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بِهَا كٰفِرِيْنَ [2]
فامنعوا من السوال حتی کانوا یحبون أن یجئ الأعرابی
فیسأل و ھم یسمعون و کنت أدخل علی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ و آلہ فی کل لیلۃ دخلۃ و أخلو بہ کل
یوم خلوۃ یجیبنی عما أسأل و أدور بہ حیث مادار۔
و قد علم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ أنہ لم

---

[1] الحشر: ۷ [2] المائدہ: ۱۰۱۔۱۰۲

یـکن یصنع ذلك بأحد غیری و ربما کان ذلك فی بیتی
و کنت اذا دخلت فی بعض منازله أخلابی و أقام نسائه
فلم یبق غیری و لم یقم عنا فاطمة و لا أحد من أبنائی و
کـنـت اذا سـألتـه أجابنی و اذا سکت و نفدت مسائل
ابتـدائـنی، فما نزلت علی رسول اللّٰه آیة من القرآن و لا
شیء علمه اللّٰه تعالیٰ من حلال أو حرام أو امر أو نهی أو
طـاعة أو معصیة أو شیء کان أو یکون الا و قد علمنیه و
أقـراء و أملاء علی و کتبه بخطی و أخبرنی بتاویل ذلك
و ظاهره و باطنه، فحفظته ثم لم أنس فیه حرفا۔
و کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله اذا أخبرنی بذلك
کـلـه، یـضـع یده علی صدری ثم یقول: اللهم املأ قلبه
عـلما و فهما و نورا و حلما و ایمانا علمه و لا تجهله و
احفظه و لا تنسه۔
فـقلت له ذات یوم: بأبی أنت و أمی یا رسول اللّٰه صلی
الـلّٰه علیه و آله هل تتخوف علی النسیان؟ فقال: یا أخی
لسـت أتخوف علیك النسیان و لا الجهل و قد أخبرنی
الـلّٰـه عز و جل انه قد أجابنی فیك و فی شرکائك الذین
یـکـونون من بعدك، فقلت: یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه
و آلـه و مـن شـرکـائـی؟ قـال: الـذین قرن اللّٰه طاعتهم
بـطـاعتـه و طـاعتی، قلت: من هم یا رسول اللّٰه؟ الذین
قال اللّٰه فیهم:
یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَ أَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ [1]
قـلـت یـا نبـی الـلّٰـه من هم؟ قال: الأوصیاء، الذین هم

---

[1] النساء: ۵۹

الاوصياء بعدی، فلا يتفرقوا حتى يردوا على حوضی، هادين مهديين، لا يضرهم كيد من كادهم، و لا خذلان من خذلهم، هم مع القرآن و القرآن معهم لا يفارقونه و لا يفارقهم، به ينتصر أمتی، و بهم يمطرون، و بهم يدفع البلاء، و بهم يستجاب لهم الدعاء۔
فقلت: يا رسول الله سمهم لی، فقال: أنت يا علی ثم ابنی هذا و وضع يده علی رأس الحسن ابنی هذا و وضع يده علی رأس الحسين ثم سميك يا أخی هو سيد العابدين ثم ابنه سميی محمد، باقر علمی و خازن وحی الله و سيولد فی زمانك يا أخی فاقرئه منی السلام و سيولد محمد فی حياتك يا حسين فاقرئه منی السلام ثم جعفر ثم موسیٰ بن جعفر ثم علی بن موسیٰ ثم محمد بن علی ثم علی بن محمد ثم الحسن بن علي الزكی ثم من اسمه اسمی و لونه لونی القائم بأمر الله فی آخر الزمان، مهدی الذی يملأ الأرض قسطا و عدلا كما ملئت قبله ظلما و جورا۔
و الله انی لأعرفه يا سليم حيث يبايع بين الركن و المقام أعرفه يا سليم حيث يبايع بين الركن والمقام و أعرف أسماء أنصاره و أعرف قبائلهم۔
(اے سلیم !) جب تم نے سوال کیا ہے تو اس کا جواب سمجھنے کی کوشش کرو۔ لوگوں کے پاس جو کچھ موجود ہے، اس میں حق بھی ہے اور باطل بھی۔ سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی۔ ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی۔ خاص بھی ہے اور عام بھی۔ محکم بھی ہے اور متشابہ بھی۔ ان لوگوں کو بعض چیزیں تو یاد ہیں اور بعض میں انہیں وہم و اشتباہ ہوگیا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ کے زمانے میں ہی میں

آنحضرتؐ پر جھوٹ بولا گیا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرتؐ نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو مجھ پر جھوٹ بولنے والے بکثرت ہو گئے ہیں۔ (آگاہ ہو جاؤ) جو شخص بھی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا وہ اپنا مقام دوزخ میں بنائے گا۔ پھر آپؐ کی وفات کے بعد بھی برابر آپؐ پر جھوٹ بولا گیا۔

جس قدر حدیثیں تمہارے پاس پہنچی ہیں، وہ چار قسم کے راویوں کے ذریعے پہنچی ہیں۔ ان میں کوئی پانچواں شخص شامل نہیں ہے۔ ایک تو وہ منافق ہے جو مصنوعی مسلمان ہے۔ فقط ظاہری لبادۂ ایمان اوڑھ رکھا ہے۔ وہ جناب رسول اللہؐ پر عملاً جھوٹ بولنے میں کسی قسم کا گناہ و حرج محسوس نہیں کرتا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ شخص فی الواقع منافق اور جھوٹا ہے تو وہ نہ اس کی کسی بات کو قبول کرتے اور نہ اس کی تصدیق کرتے۔ مگر لوگ (بوجہ عدم واقفیت) یہ کہتے ہیں کہ یہ جناب رسول خداؐ کا صحابی ہے۔ اس نے آنحضرتؐ کو دیکھا ہے اور ان کا کلام سنا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس سے حدیثیں لیتے ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم نے صحابہ رسولؐ میں منافقین کے موجود ہونے کی (قرآن میں) خبر دی ہے اور ان کے اوصاف مخصوصہ بھی بیان فرما دیے۔ چنانچہ فرمایا ہے: "اور جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو بھلے معلوم ہوں گے اور جب وہ بولیں تو آپ ان کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں (مگر وہ ایسے بے روح ہیں) گویا وہ دیوار سے لگائی گئی لکڑیاں ہیں۔" آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد یہ لوگ متفرق ہو گئے اور ائمہ ضلالت، داعیان دوزخ اور ارباب اقتدار کی بارگاہ میں جھوٹ، بہتان اور مکر و فریب کے ذریعے تقرب حاصل کیا اور ان ائمہ ضلالت نے ان کو لوگوں کا حاکم بنا دیا اور ان کے ذریعے دنیا کو خوب حاصل کیا۔ حکمرانوں نے ان منافقوں کو لوگوں کی گردنوں پر

مسلط کر دیا اور یہ مسلم ہے کہ عوام الناس ہمیشہ بادشاہوں اور دنیا کا ہی ساتھ دیتے ہیں، مگر جسے خداوند عالم محفوظ رکھے۔ حدیث نبویؐ کے چار راویوں میں سے پہلی قسم یہ ہے۔

راویان حدیث میں سے دوسری قسم کا راوی ایسا تھا کہ جس نے رسول اللہؐ سے کوئی حدیث سنی، مگر اسے پوری طرح یاد نہ رکھ سکا۔ اسے وہم و اشتباہ ہوگیا اور کچھ کا کچھ سمجھ لیا۔ یہ شخص جان بوجھ کر رسول اللہؐ پر جھوٹ نہیں بولتا۔ جو (غلط یا صحیح) اس کے پاس موجود ہے وہ اس پر عمل بھی کرتا ہے اور اس کو نقل بھی کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہؐ سے سنی ہے۔ اگر مسلمانوں کو اس بات کا علم ہو جاتا کہ اس شخص کو وہم و اشتباہ ہوگیا ہے تو وہ اس سے ہرگز حدیث قبول نہ کرتے بلکہ اگر خود اس راوی کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ اسے وہم ہوگیا ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا۔

تیسرا شخص راویان حدیث میں سے وہ ہے جس نے سنا کہ جناب رسول اللہؐ کسی چیز کا حکم دے رہے تھے، مگر بعد میں کسی وقت اس کی ممانعت کر دی، لیکن اس کو اس ممانعت کی خبر نہیں یا اس کے برعکس اس نے رسول اللہؐ سے کسی چیز کی ممانعت سنی، مگر آنحضرت نے بعد میں اس کا حکم دے دیا، لیکن اسے اس کا علم نہ ہو سکا۔ اس طرح اس شخص نے منسوخ کو تو یاد کر لیا، مگر ناسخ کو (اپنی لاعلمی کی وجہ سے) یاد نہ کر سکا۔ اگر اسے اس بات کا علم ہو جاتا کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے تو ضرور اس کو ترک کر دیتا۔ اسی طرح اگر دوسرے مسلمانوں کو اس بات کا علم ہوتا کہ یہ حکم منسوخ شدہ ہے تو وہ بھی اس کو چھوڑ دیتے۔

چوتھا شخص وہ ہے جس نے کبھی بھی خدا اور رسولؐ پر جھوٹ نہیں بولا۔ وہ خدا کے خوف اور تعظیم رسولؐ کی وجہ سے جھوٹ سے

نفرت کرتا اور اسے برا سمجھتا ہے۔ اس نے کسی چیز کو فراموش بھی نہیں کیا، بلکہ جس طرح اس نے رسول اللہؐ سے کوئی حکم سنا، اسے ویسا ہی یاد ہے اور اسی طرح آگے بیان بھی کرتا ہے۔ اس نے اس میں نہ کچھ بڑھایا ہے اور نہ کچھ گھٹایا ہے۔ اسے چونکہ ناسخ ومنسوخ کا علم ہے، اس لیے وہ ناسخ پر عمل کرتا ہے اور منسوخ کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ کے اوامر و احکام میں کلام الٰہی کی طرح ناسخ ومنسوخ، خاص و عام اور محکم و متشابہ کا سلسلہ جاری ہے۔ قرآن کی طرح کبھی رسول اللہؐ کے کلام کے بھی دو پہلو ہوتے ہیں: ایک لحاظ سے وہ عام ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے خاص۔

خداوند عالم اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

"اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔"

ایسے دو پہلو کلام کا صحیح مفہوم کم علم لوگوں پر مشتبہ ہوگیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ایسے نہ تھے کہ وہ تمام باتوں کے متعلق رسول اللہ (ص) سے سوال کرتے اور حقیقت حال معلوم کر سکتے، کیونکہ صحابہ میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو آنحضرت سے سوال نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ خداوند عالم نے انہیں سوال کرنے کی ممانعت کر دی تھی، جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر ان کے بارے میں نزول قرآن کے وقت پوچھو گے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، (جو کچھ اب تک ہوا اس سے) اللہ نے درگزر فرمایا اور اللہ بڑا بخشنے والا، بردبار ہے۔ ایسی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے بھی

پوچھی تھیں پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے کافر ہو گئے۔"
خلاصہ یہ کہ ان کو سوال کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی، اس بنا پر وہ لوگ اس بات کے خواہشمند رہتے تھے کہ کوئی (عرب) بدو آئے اور آنحضرتؐ سے کوئی مسئلہ دریافت کرے اور یہ بھی اسے سن سکیں، لیکن میری کیفیت یہ تھی کہ میں ہر رات جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ ہر روز جنابؐ سے خلوت میں باتیں کرتا۔ جس چیز کا میں آپؐ سے سوال کرتا، آنحضرتؐ مجھے اس کا جواب دیتے۔ آپؐ جہاں تشریف لے جاتے میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا۔ تمام صحابہ رسول کو اس بات کا علم ہے کہ آنحضرتؐ میرے سوا اور کسی کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے تھے۔ اکثر اوقات یہ تخلیہ میرے ہی مکان میں ہوتا تھا۔ جب کبھی میں آنحضرتؐ کے کسی مکان میں جاتا تو آنجنابؐ میرے لیے تخلیہ کا انتظام کرتے اور اپنی ازدواج کو اٹھا دیتے، یہاں تک کہ آنجنابؐ اور میرے علاوہ کوئی بھی وہاں نہ رہتا۔ جب کبھی آنحضرتؐ میرے یہاں تشریف لاتے تو سب کو اٹھا دیتے، مگر فاطمہ الزہرا (س) اور میرے دونوں بیٹوں (حسن اور حسین علیہم السلام) کو نہ اٹھاتے۔ جب میں آپؐ سے سوال کرتا تو آپؐ جواب دیتے اور جس وقت میں چپ ہو جاتا اور میرے سوالات ختم ہو جاتے تو آنحضرتؐ از خود ابتدا فرماتے۔

اس لیے قرآن کی کوئی ایسی آیت نہیں جو رسولؐ پر نازل ہوئی ہے اور نہ کوئی ایسی دوسری چیز ہے جو خدائے متعال نے ان کو تعلیم دی ہو، خواہ وہ از قسم حلال ہو یا حرام، از قسم امر ہو یا نہی، از نوع اطاعت ہو یا معصیت اور اس کا تعلق گزشتہ واقعات سے ہو یا آنے والے حالات سے مگر یہ کہ آنحضرتؐ نے ان تمام چیزوں کی مجھے تعلیم دے دی اور یہ سب مجھے لکھوا بھی دیں۔ میں نے

ان باتوں کو اپنے خط سے لکھ لیا اور آنحضرتؐ نے مجھے ان کی تاویل اوران کے ظاہری و باطنی حقائق سے آگاہ کر دیا۔ میں نے ان سب باتوں کو حفظ کرلیا اور ایک حرف بھی فراموش نہیں کیا۔ آنحضرتؐ جب مجھے ان باتوں کی تعلیم دیتے تو اس وقت اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کرتے:

یااللہ! تو اس (علیؑ) کے دل کو علم و فہم اور نور و حلم اور ایمان سے بھر دے۔ اسے علم وافر عطا کر اور (کسی چیز سے) اس کو بے خبر نہ رکھ۔ اسے حفظ کامل مرحمت کر اور نسیان سے محفوظ رکھ۔

ایک روز میں نے عرض کیا:

یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ کو میرے متعلق نسیان کا اندیشہ ہے؟

فرمایا:

برادر من! مجھے تمہارے متعلق نہ تو نسیان کا خوف ہے اور نہ جہالت کا ڈر ہے، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس نے تمہارے اور تمہارے ان شرکائے کار کے حق میں جو تمہارے بعد ہوں گے، میری دعا کو قبول کرلیا ہے۔

میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہؐ! وہ میرے شریک کار کون ہیں؟

فرمایا:

وہ ہیں جن کی اطاعت خدا نے اپنی اور میری اطاعت کے ساتھ ملا دی ہے۔

میں نے عرض کیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: جن کے حق میں خداوند عالم کا یہ ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔"

میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ: وہ کون ہیں؟ ان کی مزید نشان دہی فرمائیں۔
فرمایا:
وہ وصی ہیں، جو میرے بعد میرے وصی ہوں گے۔ جن میں اختلاف و تفرقہ نہ ہوگا، یہاں تک کہ وہ سب کے سب ہدایت یافتہ اور ہدایت کرتے ہوئے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ جو کوئی ان سے مکر و فریب کرے گا یا ان کی نصرت نہیں کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ وہ ہمیشہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا۔ نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے اور نہ قرآن ان سے علیحدہ ہوگا۔ انہی کی وجہ سے میری امت کی نصرت و امداد کی جائے گی اور انہی کے وسیلہ سے بارش برسائے جائے گی۔ انہی کے طفیل مصیبتیں دور ہوں گی اور انہی کے ذریعہ سے دعائیں قبول ہوں گی۔
میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ ان کے اسمائے گرامی سے مجھے آگاہ فرمادیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:
اے علیؑ! ان میں سے پہلے تو تم ہو! تمہارے بعد میرا یہ فرزند ہوگا۔ یہ فرما کر اپنا دست مبارک حضرت امام حسن علیہ السلام کے سر پر رکھا۔ پھر فرمایا: ان کے بعد میرا یہ دوسرا بیٹا ہوگا۔ یہ فرما کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اے بھائی! ان کے بعد تمہارا ہم نام امام ہوگا جو کہ سید العابدین ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اور میرا ہم نام محمد ہوگا، جو میرے علم کو شگافتہ کرے گا اور خدا کی وحی کا خزینہ دار ہوگا۔ اے بھائی! تمہارے زمانے میں علی زین العابدین (علیہ السلام) پیدا ہوں گے۔ ان کو میرا سلام کہنا اور اے حسین (علیہ السلام) تمہاری زندگی میں ہی محمد باقر (علیہ السلام) پیدا ہوں گے۔ میری طرف سے انہیں سلام کہنا۔ پھر جعفر صادق (علیہ السلام) پھر

موسیٰ کاظم (علیہ السلام) پھر علی بن موسیٰ (علیہ السلام) پھر محمد بن علی تقی (علیہ السلام) پھر علی بن محمد نقی (علیہ السلام) پھر حسن بن علی ملقب بہ زکی عسکری (علیہ السلام) ہوں گے۔

ان کے بعد وہ ہوگا جو میرا ہم نام اور ہم رنگ ہے۔ وہ آخر زمانہ میں خدا کے حکم سے قیام کرے گا۔ وہ مہدی علیہ السلام ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے لبریز کر دے گا، جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

(پھر حضرت علی علیہ السلام نے راوی حدیث سے فرمایا) اے سلیم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ رکن (حجر اسود) اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان اس کی بیعت کی جائے گی۔ میں اس کے اعوان و انصار کے نام بھی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کس کس قبیلے سے ہوں گے۔

سلیم بن قیس کا بیان ہے کہ ایک مدت کے بعد جب کہ معاویہ حاکم شام تھا میں، مدینہ میں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں ان کے پدر بزرگوار کی یہی حدیث بیان کی۔ دونوں نے فرمایا:

صدقت قد حدثك امير المؤمنين بهذا الحديث و نحن جلوس و قد حفظنا ذلك عن رسول الله صلى الله عليه و آله كماحدثك، لم يزد فيه حرفا و لم ينقص منه حرفا.

تم سچ کہتے ہو۔ ہم وہاں موجود تھے اور ہم نے یہ حدیث اسی طرح خود رسول اللہؐ سے بھی سن کر یاد کی ہے۔ اسی طرح ہمارے والد بزرگوارؑ نے تم سے بلاکم و کاست بیان کی تھی۔

سلیمؒ کہتے ہیں: پھر میں علی بن الحسین علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کے پاس آپ کے فرزند محمد باقر علیہ السلام بھی موجود تھے۔ میں نے ان کے والد بزرگوار کی یہ حدیث جو میں نے آنجنابؑ سے سنی تھی بیان کی۔ آپؑ نے فرمایا:

سمعت عن امير المؤمنين عليه السلام عن رسول الله

صلی اللّٰہ علیه و آله و هو مریض و أنا صبی۔

میں نے بھی اپنے بچپن میں اپنے جد بزرگوار امیر المؤمنین علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنی ہے، اس وقت امیر المؤمنینؑ بیمار تھے۔

پھر امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

و أقرانی جدی عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله و أنا صبی۔

جس وقت میرے جد امجد (امام حسین علیہ السلام) نے مجھے جناب رسول اللہؐ کا سلام پہنچایا تھا، اس وقت میں بچہ تھا۔

ابان بن ابی عیاش کہتے ہیں: میں نے حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کی خدمت میں سلیم بن قیس ہلالی کی بیان کردہ تمام حدیث عرض کی۔ آپؑ نے فرمایا:

صدق و قد جاء جابر بن عبد اللّٰہ الأنصاری الی ابنی محمد و هو یختلف الی الکتاب فقبله و اقرأه السلام من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله۔

سلیم نے سچ کہا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ میرے فرزند محمد باقر علیہ السلام کے پاس اس وقت آئے تھے جب کہ وہ مدرسہ کی طرف جا رہے تھے۔ جابرؓ نے ان کو بوسہ دیا اور ان کو جناب رسالتمآبؐ کا سلام پہنچایا۔

یہی ابان ابن ابی عیاش بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات کے بعد میں حج بیت اللہ کے لیے گیا۔ وہاں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سلیم بن قیس ہلالی والی یہ حدیث ان سے بیان کی۔ سن کر آنجنابؑ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

صدق سلیم رحمه اللّٰہ و قد اتی الی ابی بعد قتل جدی الحسین علیه السلام و أنا عنده فحدثه بهذا الحدیث بعینه، فقال له ابی: صدقت و اللّٰہ یا سلیم قد حدثنی

بھذا الحدیث أبی عن امیر المؤمنین علیه السلام۔
خدا رحم کرے سلیم پر، اس نے سچ کہا ہے۔ وہ میرے جد بزرگوار کی شہادت کے بعد میرے پدر بزرگوار کے پاس آئے تھے۔ اس وقت میں بھی ان کی خدمت میں موجود تھا۔ سلیم نے وہاں بھی بعینہ اسی طرح یہ حدیث بیان کی تھی۔ میرے والد نے فرمایا تھا: اے سلیم! بخدا تم سچ کہتے ہو۔ میرے والد ماجد امام حسین علیہ السلام نے میرے جد بزرگوار حضرت امیر المؤمنین کی یہ حدیث اسی طرح مجھ سے بیان کی تھی۔

قرآن میں تناقض و تعارض نہ ہونے کا بیان

جناب شیخ ابو جعفر (صدوق)ؒ فرماتے ہیں: خداوند عالم کی کتاب مقدس میں بعض ایسی آیات بھی ہیں کہ جن کی نسبت جہال یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں باہم اختلاف و تعارض ہے، حالانکہ ان میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے۔ بطور مثال یہاں چند آیات درج کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا [1]

پس آج ہم انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے۔

اور فرمایا:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ [2]

((انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا ہے۔))

ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا [3]

اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔

---

[1] الاعراف:۵۱ [2] التوبۃ:۶۷ [3] مریم:۶۴

ایک اور مقام پر فرماتا ہے:
يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُونَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ
الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝[1]
اس روز روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور کوئی بات نہیں کر سکے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو درست بات کرے۔

پھر فرماتا ہے:
ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا[2]
پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔

پھر خدائے تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے حضور میں جھگڑا نہ کرو میں تمہاری طرف وعید و تہدید (بذریعہ انبیا و اوصیا) پہلے بھیج چکا تھا۔

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے:
اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيهِمْ وَ تَشْهَدُ
اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝[3]
آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس کے بارے میں جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔

ایک مقام پر فرماتا ہے:
وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ[4]

بہت سے چہرے اس روز شاداب ہوں گے، وہ اپنے رب (کی رحمت) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

---

[1] النباء: ۳۸ [2] عنکبوت: ۲۵ [3] یٰس: ۶۵ [4] القیامۃ: ۲۲-۲۳

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○[1]

نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں جبکہ وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین، بڑا باخبر ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ[2]

اور کسی بشر میں یہ صلاحیت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے، ماسوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے۔

پھر فرماتا ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔[3]

اور اللہ نے موسیٰ سے تو خوب باتیں کی ہیں۔

وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ[4]

اور ان کے رب نے انہیں پکارا: کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟

ایک مقام پر فرماتا ہے:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○[5]

اور زمین و آسمان کی ذرہ برابر اور اس سے چھوٹی یا بڑی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے رب سے پوشیدہ ہو اور روشن کتاب میں درج نہ ہو۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ[6]

اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ انہیں پاک

---

[1] الانعام:۱۰۳ [2] الشوریٰ:۵۱ [3] النساء:۱۶۴
[4] الاعراف:۲۲ [5] یونس:۶۱ [6] آل عمران:۷۷

کرے گا۔

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ[1]

ہرگز نہیں! اس روز یہ لوگ یقیناً اپنے رب (کی رحمت) سے اوٹ میں ہوں گے۔

ایک مقام پر فرماتا ہے:

ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ[2]

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور زمین جھولنے لگ جائے۔

الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ[3]

وہ رحمٰن جس نے عرش پر اقتدار قائم کیا۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ ۖ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ[4]

اور آسمانوں میں اور زمین میں وہی ایک اللہ ہے، وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے۔

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا[5]

کبھی تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر یہ کہ ان کا چھٹا اللہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہو سکتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ جہاں کہیں ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

نیز فرماتا ہے:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ[6]

---

[1] المطففین:۱۵ [2] الملک:۱۶ [3] طٰہٰ:۵
[4] الانعام:۳ [5] المجادلۃ:۷ [6] ق:۱۶

ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ اَمۡرُ رَبِّكَ [1]

کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے (ان کی جان کنی کے لیے) ان کے پاس آئیں یا آپ کے رب کا فیصلہ آئے؟

ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

قُلۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ [2]

کہہ دیجیے: موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے:

تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ [3]

جب تم میں سے کسی ایک کو موت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

نیز فرماتا ہے:

تَتَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ [4]

فرشتے جن کی روحیں اس حالت میں قبض کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا [5]

موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے۔

اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔

ایک مرتبہ ایک زندیق نے اس قسم کی آیات کے متعلق حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے استفسار کیا تھا اور آنجناب علیہ السلام نے ان کی تاویل و تفسیر اور ان کے متحد المعانی ہونے کے تفصیلی اسباب و وجوہ بیان فرمائے تھے۔ میں نے اپنی کتاب التوحید میں اس حدیث کو پوری سند اور شرح کے ساتھ لکھ دیا ہے اور ارادہ ہے کہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تحریر کروں گا۔ بمشیتہ و عونہ تعالیٰ۔ (تم الکتاب)

---

[1] النحل:۳۳ [2] السجدۃ:۱۱ [3] الانعام:۶۱ [4] النحل:۲۸ [5] الزمر:۴۲

فہرست

☆☆☆☆☆